بن جائے گی تاکہ اس میں محبوب کا عکس پڑ سکے۔ آئینہ بنا حیرت کی وجہ سے بھی ممکن ہے چونکہ آئینہ سب سے حیران چیز ہے اور باغ محبوب کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب جائے گا۔

بتاں زہراب اس شدت سے دو پیکانِ ناوک کو
کہ خطِ سبز تا پشتِ لبِ سوفار ہو پیدا

پیکاں تیر کا اگلا حصہ اور سوفار پچھلا حصہ ہوتا ہے۔ زہر کا رنگ روایتاً سبز ہوتا ہے۔ پیکاں کو زہر میں بجھاتے ہیں جس سے وہ سبز ہو جاتا ہے۔ خطِ سبز اور پشتِ لب میں ایہام ہے۔ ان کے قریب کے معنی مونچھ اور داڑھی کا سبزہ ہیں لیکن در اصل دور کے معنی سوفار کا دہانہ اور ہری لکیر مراد ہے۔ کہتے ہیں اے بتو پیکان کو اس شدت سے زہر کے پانی میں ڈبوؤ کہ سوفار کے آخر تک سبز رنگ کی دھاری نمودار ہو جائے۔

لگے گر سنگ سر پر یار کے دستِ نگاریں سے
بجائے زخم گل بر گوشۂ دستار ہو پیدا

دستِ نگاریں: نقش و نگار والا ہاتھ جس پر مہندی لگائی ہو۔ گل بر سرِ دستار زدن یا بستن: پگڑی میں پھول لگانے کو کہتے ہیں۔ گوشۂ دستار پر پھول لگانا فخر و زیبائش کی نشانی ہے۔ اگر محبوب کے رنگین ہاتھ سے میرے سر پر پتھر لگے تو زخم نہیں ہوگا بلکہ پگڑی میں پھول لگ جائے گا یعنی بڑا اعزاز بڑی زیبائش ہوگی۔

کروں گر عرضِ سنگینی کہسار اپنی بے تابی
رگِ ہر سنگ سے نبضِ دلِ بیمار ہو پیدا

پہاڑ کی سختی کے سامنے اگر میں اپنی بے تابی عرض کروں تو پتھر جیسی جامد چیز بھی تڑپنے لگے گی۔ ہر پتھر کی رگ دلِ بیمار کی نبض کی طرح ہو جائے گی۔ نبض اور دل دونوں میں دھڑکن ہے اس لئے دل میں نبض پیدا کر دی۔ بیمار کے دل میں بے تابی ہوتی ہے۔ اس کا حال سن کر پتھر بھی بے چین ہو جائے گا۔

بر سنگِ شیشہ توڑوں ساقیا پیمانۂ پیماں
اگر ابرِ سیہ مست از سوئے کہسار ہو پیدا

پیمانۂ پیماں: وعدہ کا پیمانہ۔ میں نے عہد کیا تھا کہ آئندہ شراب نہ پیوں گا لیکن اگر پہاڑ کی طرف سے سیہ مست بادل آئے تو میں توبہ کا پیمانہ شیشۂ شراب کے پتھر سے توڑ دوں گا۔ توبہ کو پیمانے سے تشبیہہ دی ہے اور شیشہ (بوتل) کو پتھر سے۔ سیہ مست کا لفظ ابر کے ساتھ برجستہ ہے۔

اسد مایوس مت ہو گرچہ رونے میں اثر کم ہے
کہ غالب ہے کہ بعد از زاریِ بسیار ہو پیدا

غالب ہے: غالباً۔ اسد اگرچہ ابھی رونے میں اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ مگر مایوس مت ہو۔ قوی امکان ہے کہ بہت سا رونے کے بعد اثر ہوگا۔

(ب)

(۵۶)

بسکہ ہے مے خانہ ویراں جوں بیابانِ خراب
عکسِ چشمِ آہوئے رم خوردہ ہے داغِ شراب

شعر سے دو معنی نکلتے ہیں۔ (۱) جو ہرن بھاگا جا رہا ہو اس کی آنکھ کا عکس بھی گریزپا ہوگا وہ عکس کیا کہیں پڑے گا اور کیا کسی کو دکھائی دے گا۔ وہ تیزی سے گزر کر معدوم ہو رہا ہوگا۔ مے خانہ ویران جنگل کی طرح ہے۔ اس میں شراب اور شراب خوروں کا پتہ نہیں۔ اگر فرش پر کسی داغِ شراب ہے تو وہ تیزی سے غائب ہو رہا ہے (یا شاید معدوم ہے)

(۲) مے خانہ ویران بیابان کی طرح ہے۔ ویرانے میں ہرن پھرتے ہیں۔ مے خانے میں چند داغ شراب جو فرش پر دکھائی دیتے ہیں وہ کسی بھاگتے ہوئے ہرن کی آنکھ کے عکس سے مشابہ ہیں اس طرح صحرا کا ایک لازمہ ثابت ہو گیا جس سے ویرانی میں مزید اضافہ ہوا۔

تیرگیِ ظاہری ہے طبعِ آگہ کا نشاں
غافلاں عکسِ سوادِ صفحہ ہے گردِ کتاب

تیرگیِ ظاہری: ظاہر کی جہالت یا گندگی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ گدڑی میں لعل چھپے ہوتے ہیں کوئی خدا رسیدہ یا عالم شخص معمولی لباس میں خود کو بے علم و نظر ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی طبیعت خبردار و ہوشیار ہوتی ہے جیسے کتاب پر گرد صفحے کی سیاہی کی خبر دیتی ہے وہ معمولی گرد نہیں ہوتی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے نیچے علم کے گوہر ہیں۔

یک نگاہِ صاف، صد آئینۂ تاثیر ہے
ہے رگِ یاقوت، عکسِ خطِ جامِ آفتاب

صد آئینۂ تاثیر: تاثیر کے سو آئینہ والا یعنی تاثیر کا ثبوت۔ رگِ یاقوت: لعل پر دکھائی دینے والی دھاریاں۔ خطِ جام: اصلاً جام جم میں خطوط تھے اب ہر جام کیلئے آتا ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ ہیرے اور لعل سورج کی تپش سے تشکیل پاتے ہیں۔ ایک پاک صاف نگاہ میں بہت تاثیر ہوتی ہے ثبوت ہے جامِ آفتاب کے خط کے عکس سے رگِ یاقوت پیدا ہوئی یعنی سورج کی کرن سے لعل پیدا ہوئے خطِ جامِ آفتاب سے مراد سورج کی کرن ہے جو نگاہِ صاف کی نمائندہ ہے۔

ہے عرق افشاں "مشی سے" ادہمِ مشکینِ یار
وقتِ شب اختر گنے ہے چشمِ بیدارِ رکاب

مشی: چلنا۔ ادہمِ مشکین: کالا گھوڑا۔ اختر گننا: اختر شماری بمعنی رات کو بیدار رہنا۔ رات میں تارے نہیں نکلے بلکہ دوست کا کالا گھوڑا چلنے کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہے۔ چونکہ محبوبِ حقیقی کا گھوڑا رات بھر چلتا ہے اس لئے چشمِ رکاب رات بھر کھلی رہتی ہے۔ رکاب کا حلقہ آنکھ سے مشابہ ہے اور یہ چشم بیدار ہوئی جو اختر شماری کر رہی ہے۔ رات گزرنے کو خدا کے گھوڑے کے سفر سے مشابہ کیا ہے۔

ہے شفق، سوزِ جگر کی آگ کی بالیدگی
ہر یک اختر ہے فلک پر، قطرۂ اشکِ کباب

اشکِ کباب: وہ قطرے جو کباب کو آگ پر رکھنے سے نمودار ہوں۔ شعر میں اپنے سوزِ جگر کا مبالغہ کیا ہے۔ شفق نہیں میرے جگر کی آگ بلند ہوکر آسمان تک پہنچی ہے۔ اس آگ سے آسمان کباب کی طرح بھن گیا۔ اس میں سے رطوبت کے قطرے جو ظاہر ہوئے وہ تارے ہیں۔ مرکب تشبیہ کو خوب بنایا ہے۔

بسکہ شرمِ عارضِ رنگیں سے حیرت جلوہ ہے
ہے شکستِ رنگِ گل، آئینہ پردازِ نقاب

محبوب کے رنگین عارض کو دیکھ کر پھول کو شرم آئی اور وہ اس کے حسن پر حیران رہ گیا۔ پھول کا رنگ اڑ گیا اور اس نے شکستِ رنگ کو نقاب میں چھپانا چاہا لیکن یہ نقاب آئینے کا رنگ اختیار کر گیا اور اس نے رنگ کے اڑنے کا بھید سب پر ظاہر کر دیا۔

شب کہ تھا نظّارگی روئے بتاں کا اے اسد
گر گیا بامِ فلک سے صبح طشتِ ماہتاب

نظّارگی: نظارہ کرنے والا۔ بام سے طشت گرنا: بھید ظاہر ہونا۔ نظّارہ کون کر رہا ہے؟ فلک یا ماہتاب؟ دونوں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ پہلے آسمان کو لیجئے۔ رات میں آسمان نے اپنے سر پر یعنی بام پر چاند کا طشت رکھا ہوا تھا اور بتوں کے چہرے کا نظارہ کر رہا تھا۔ صبح کے وقت بھول سے اس کے سر سے چاند کا طشت گر گیا۔ اشارہ اس بات پر ہے کہ چاند حسینوں کے چہرے سے کم حسین تھا۔ دوسرے یہ کہ آسمان کا راز ظاہر ہوگیا کہ وہ چاند کا مالک ہونے کے باوجود دوسرے حسینوں کا نظارہ کرتا ہے یعنی اس کی نظر میں وہ چاند سے زیادہ حسین ہیں۔

اگر نظارگی چاند ہے تو یہ معنی ہوئے کہ وہ رات بھر حسینوں کو دیکھتا رہا یعنی اس نے خود اعتراف کیا کہ بت اس سے زیادہ حسین ہیں۔ صبح یہ بھید سب پر کھل گیا۔

(۱۵۷)

ہے بہاراں میں خزاں حاصل خیالِ عندلیب
رنگِ گل آتش کدہ ہے زیرِ بالِ عندلیب

زیرِ بال: پرندوں کا پروں میں سر چھپا کر سو جانا۔ یہاں غالباً محاورے کے طور پر نہیں آیا لفظی معنی میں آیا ہے گو زیرِ بال ہوکر پرندے گہری میں سوچ میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں اور شعر کے پہلے مصرع میں خیال کا ذکر ہے ہی۔ بہرحال معنی یہ ہیں کہ بلبل کا تخیل بہار میں بھی خزاں کی سی کیفیت میں رہتا ہے۔ بلبل پھول پر بیٹھی ہے اس کے پروں کے نیچے پھول کا رنگ ایک آتش کدہ ہے جو بلبل اور بہار سب کو پھونک دے گا۔ یعنی بلبل کا انجامِ بہار دکھائی دیتا رہتا ہے کہ خزاں سر پر کھڑی ہے۔

عشق کو ہر رنگ شانِ حسن ہے مدِّ نظر
مصرعِ سروِ چمن ہے حسبِ حالِ عندلیب

عام طور سے بلبل کو گل کا عاشق اور سرو کو قمری کا محبوب قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں سرو کو عندلیب سے متعلق کر دیا ہے۔ سرو اپنی راستی اور سرسبزی کی وجہ سے مصرع سے مشابہ ہوتا ہے۔ حسن کسی بھی رنگ میں ظاہر ہو عشق اس کو اپنی نظروں میں رکھے گا۔ بلبل پھول کی عاشق ہے لیکن حسین سرو دکھائی دیا تو اس کی بھی قدر کرے گی۔ اس طرح سرو بلبل کے دل کی حالت ظاہر کرنے والا مصرع ہے۔ اس مصرع میں کون سا مضمون ہے۔ یہی کہ عشق کو ہر رنگ میں حسن کا جلوہ پسند ہوتا ہے۔

حیرتِ حسنِ چمن پیرا سے تیرے رنگِ گل
بسملِ ذوقِ پریدن ہے بہ بالِ عندلیب

بہ بالِ دیگر پریدن ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کسی کی حمایت سے خود کو بعض خوبیوں سے متصف ظاہر کرنا جو خود میں نہیں حمایتی میں ہیں۔ غالب نے یہی لفظی معنی میں لیا ہے محبوب کا حسن چمن کو سجانے والا ہے۔ اس کو دیکھ کر پھول حیران ہے اور اس کا رنگ اُڑنے کا مشتاق ہے لیکن اُڑنے کیلیے سہارے کی ضرورت ہے۔ وہ بلبل کے پروں سے اُڑجانا چاہتا ہے۔ یعنی بلبل جو پھول کے حسن کی قدردان ہے ہمارے محبوب کے حسن کو دیکھ کر خود پھول کے رنگ کے غائب ہونے میں مدد دیگی

عمر میری ہوگئی صرفِ بہارِ حسنِ یار
گردشِ رنگِ چمن ہے ماہ و سالِ عندلیب

آسی نے اس شعر میں اپنی اور بلبل کی حالت کا موازنہ کیا ہے کہ میں عمر بھر حسنِ یار کی بہار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہوں۔ بلبل کو بہار و خزاں کے تواتر سے سابقہ پڑتا ہے لیکن غالبؔ شاعر نے یہ نہیں کہنا چاہا۔ اس نے خود ہی کو عندلیب کہا ہے۔ ماہ وسال سے مراد پورا وقت۔ عندلیب کا وقت، اور عمر کیا ہے باغ کے رنگ کو اور اس کی گردش کو دیکھتے رہنا۔ بہار آئے کہ خزاں بلبل کی توجہ کا واحد مرکز رنگِ چمن ہے میری عمر بھی حسنِ یار کی بہار کی طرف مرکوز رہنے میں صرف ہوگئی۔ مجھے اور کسی کام سے کام ہی نہیں۔ محبوب کا حسن ہی عاشق کی زندگی ہے۔

منع مت کر حسن کی ہم کو پرستش سے کہ ہے
بادۂ نظارۂ گلشن، حلالِ عندلیب

ہمیں حسن کی پرستش سے مت روک کیونکہ بلبل کو باغ کے نظارے کی شراب حلال ہے۔ میں بھی بلبل کا ہم مذاق ہوں۔ میرا باغ حسن کا چہرہ ہے میں اس کا نظارہ کروں گا۔

ہے مگر موقوف بر وقتِ دگر، کارِ اسد
اے شبِ پروانہ و روزِ وصالِ عندلیب

ہر کام اپنے وقت پر تکمیل کو پہنچتا ہے۔ پروانے کا شمع سے وصل رات کو ہوتا ہے اور بلبل کا پھول سے وصل دن میں۔ اسد کا کام بھی کسی اور وقت پر موقوف ہے۔

چونکہ رات پروانے کی ہے اور دن بلبل کا تو وقتِ دگر کون سا بچا۔ ظاہرا کوئی وقت بھی نہیں پروانے اور عندلیب کے سامنے محض اپنی ساکھ رکھنے کو بہانہ کردیا ہے کہ ہمارے مقررہ وقت پر ہمیں کامیابی ہوگی۔

(ت)
(۵۸)

جاتا ہوں جدھر سب کی اُٹھے ہے اُدھر انگشت
یک دست جہاں مجھ سے پھرا ہے مگر انگشت

انگشت نما ہونا: رسوا ہونا: یک دست: یکساں۔ میں جدھر جاتا ہوں سب میری طرف اُنگلی اُٹھاتے ہیں۔ ساری دُنیا میرے بالکل خلاف ہوگئی ہے۔ صرف اُنگلیاں میری طرف توجہ کررہی ہیں اور سب نے مُنہ پھیر لیا ہے۔ یک دست اور انگشت میں رعایت ہے۔

میں اُلفتِ مژگاں میں جو انگشت نما ہوں
لگتی ہے مجھے تیر کے مانند ہر انگشت

انگشت نما کے معنی وہ شخص جس کی طرف اُنگلیاں اشارہ کریں یعنی بدنام شخص۔ میں کسی حسین کی پلکوں کی الفت کی وجہ سے بدنام ہوگیا ہوں حالانکہ اس الفت میں کیا بُرائی ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے لوگوں کی انگشتِ اعتراض تیر کی طرح لگتی ہے۔ پلکیں بھی تیر کی طرح ہوتی ہیں۔ شاید اسی لئے مجھے اُنگلیوں کے تیر کھانے پڑتے ہیں۔

ہر غنچۂ گل صورتِ یک قطرۂ خوں ہے
دیکھا ہے کسو کا جو حنا بستہ سرِ انگشت

سرِ انگشت: اُنگلی کا سرا۔ شعر کے صاف صاف دو معنی ہیں۔

(۱) عاشق عشق میں خون ہوجاتا ہے۔ ہر غنچہ بھی خون کے قطرے کی طرح ہے ہو نہ ہو یہ بھی کسی سے عشق کرنے لگا ہے۔ کس سے؟ اس نے ہمارے محبوب کی حنا لگی ہوئی اُنگلی کا سرا دیکھ لیا ہے جس کے عشق میں خود کو خون کئے ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سرِ انگشتِ حنائی پھول کے سُرخ غنچے سے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) میں نے ایک حسین کا حنا لگا ہوا اُنگلی کا سرا دیکھ لیا ہے وہ اس طرح میری نظروں پر چڑھ گیا ہے کہ اس کے آگے پھولوں کی سُرخ کلی محض ایک خون کی بوند معلوم ہوتی ہے۔ یعنی اس میں کوئی دلکشی ہی نہیں۔ پہلے مفہوم میں دیکھا ہے کا فاعل "میں نے" ہے۔ دوسرے میں "غنچۂ گل" فاعل ہے ——— ٭

گرمی ہے زباں کی سببِ سوختنِ جاں
ہر شمع شہادت کو ہے یاں سر بسر انگشت

زباں کی گرمی: تیز دلآزار کلام۔ غالب نے ایک شعر میں کہا ہے۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

شمع کی لو کو زبانۂ شمع کہتے ہیں۔ شہادت کے دو معنی ہیں گواہی اور شہید ہونا۔ یہاں اول الذکر مراد ہیں اور آخر الذکر کی طرف بھی ایک قرینے سے ذہنی اشارہ ہے۔ انگشتِ شہادت کو اُٹھا کر کسی شخص کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے یا کسی بات پر گواہی دی جاتی ہے۔ بات چیت کی گرمی جان کے جلنے کا باعث ہوتی ہے۔ شمع کی زبان تو ظاہرا بھی گرم ہوتی ہے چنانچہ اس کی جان جل جاتی ہے۔ شمع اس قول کی صحت پر انگلی اُٹھا کر گواہی (شہادت) دے رہی ہے۔ شمع چونکہ انگلی سے مشابہ ہوتی ہے اس لئے اسے انگشتِ شہادت قرار دیا۔ چونکہ وہ اپنی گرمیِ زباں کے سبب جل کر ڈھیر ہو جاتی ہے اس لئے اس کی گواہی مدلل ہوئی۔

خوں دل میں جو میرے نہیں باقی، تو پھر اس کی
جوں ماہیِ بے آب، تڑپتی ہے ہر انگشت

محبوب میرے دل کے خون میں انگلیاں بھگو کر ان کو رنگِ حنا دیتا تھا۔ اب میرے دل میں خون باقی نہیں رہا اس لئے محبوب کی ہر انگلی ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے۔ خون کی مماثلت آب سے اور انگلی کی ماہی سے ہے۔

شوخی تری کہہ دیتی ہے احوال ہمارا
رازِ دلِ صد پارہ کی ہے پردہ در انگشت

پردہ در: راز کو فاش کرنے والا۔ ہمارے دل میں ایک راز چھپا ہے اور وہ یہ ہے کہ تیرے عشق میں ہمارے دل کے سو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ ہم اس حالت کو دنیا سے چھپانا چاہتے ہیں لیکن تیری شوخی کو ضبط کہاں۔ تیری انگلی ہمارے دل کو چھیڑتی اور کریدتی ہے اور اس کی کیفیت سے آشنا ہونے کے بعد ڈھنڈھورا پیٹ دیتی ہے۔ دراصل اس انگشت ہی نے تو دل کو صد پارہ کیا ہے۔

کس رتبے میں باریکی و نرمی ہے کہ جوں گل
آتی نہیں پنجے میں بس اس کے نظر انگشت

پھول کو پنجۂ دست سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اس میں انگلیاں نہیں ہوتیں۔ انگلی کی خوبی ہے۔ باریکی اور نرمی محبوب کی انگلی میں یہ خوبیاں اتنی شدت سے ہیں کہ باریکی کی وجہ سے خصوصاً پنجے میں انگلی نظر ہی نہیں آتی جیسا کہ پھول کے پنجے میں ہوتا ہے۔

شاعر نے یہ نہ سوچا کہ بغیر انگلیوں کا پنجہ کوڑھی کے پنجے سے مشابہ ہو جائے گا۔ شعرا کمر اور دہن کی تنگی میں مبالغہ کر کے انھیں غائب ہی کر دیتے ہیں۔ غالب نے انگلیوں کو غائب کر دیا۔

(۵۹)

چشم بندِ خلق، غیر از نقشِ خودبینی نہیں
آئنہ ہے قالبِ خشتِ درو دیوارِ دوست

تمثیلی رنگ کے اشعار میں پہلے مصرع میں کوئی دعویٰ کیا جاتا ہے دوسرے مصرع میں تشبیہ کے ذریعے دلیل لائی جاتی ہے۔ یہی کیفیت اس شعر میں ہے۔ پہلے مصرع میں دعویٰ ہے کہ اہلِ دنیا اگر آنکھ بند کر کے گیان دھیان میں لگنے کا بہروپ کریں تو یہ دراصل خودبینی کے سوا اور کچھ نہیں۔ خارجی دنیا کے مناظر سے قطع کر کے کمرے میں بند ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام توجہ اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ جائے گی اور یہ خودبینی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ محبوب اپنے گھر کے اندر بند ہو جاتا ہے۔ اس کے درو دیوار کی اینٹیں آئینے کے سانچے میں ڈھل کر بنی ہیں یعنی خود آئینہ ہیں۔ اس لئے محبوب کو درو دیوار میں اپنی ہی شکل دکھائی دیتی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ جب گھر میں اور کوئی نہ ہوگا تو وہ اپنے ہی بارے میں سوچے گا۔ یہ خودبینی ہوئی۔

مندرجہ بالا تشریح میں چشم بند کو مبتدا اور غیر از نقشِ خودبینی کو خبر فرض کیا گیا تھا۔ اسی طرح دوسرے مصرع میں قالبِ خشت کو مبتدا اور آئینہ کو خبر مانا تھا۔ آسی نے اس کے برعکس کر کے ذیل کے معنی لئے ہیں۔ خودبینی میں مبتلا رہنا لوگوں کی آنکھیں بند کر دیتا ہے یعنی انھیں غفلت میں ڈال کر محبوب کا جلوہ دیکھنے سے باز رکھتا ہے۔ خودبینی کا وسیلہ ہے آئینہ۔ اس طرح آئینہ محبوب کے اور خلق کے بیچ دیوار بن کر مزاحم ہوتا ہے۔

میں اس تشریح کی اس لئے تائید نہیں کروں گا کہ "درو دیوارِ دوست" میں حجاب کا انداز نہیں۔ صرف دیوار ایک دفعہ کو پردہ مزاحم ہو سکتی تھی لیکن درو دیوار کے یہ معنی مناسب نہیں۔

برقِ خرمن زارِ گوہر ہے نگاہِ تیز یاں
اشک ہو جاتے ہیں خشک از گرمیِ رفتارِ دوست

کے ساتھ رہنے کی فکر ہے نہ لوگوں کے طعن اور ملامت کا ڈر ہے۔ یہ از خود رفتگی سلامت۔

ع رہے غالبِ خستہ، مغلوبِ گردوں
یہ کیا بے نیازی ہے حضرت سلامت!

حضرت سلامت، غالب کے لئے آیا ہے یا محبوب کے لئے؟ دونوں طرح مختلف معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) "رہے" مضارع ہے۔ حضرت سلامت "جہاں پناہ" کی طرح کا فقرہ ہے جو محبوب سے خطاب ہے یا پھر بادشاہِ وقت کو کہہ سکتے ہیں۔ آپ کے ہوتے غالبِ خستہ آسمان کے ظلم سے مغلوب رہے۔ حضرت یہ آپ کی کیا بے نیازی ہے۔ اس پر کرم کیجئے تاکہ آسمان کی لائی ہوئی سختیوں سے رہا ہو جائے۔

(۲) مجروح دل والے غالب صاحب! آپ آسمان کے ظلم سے دب کر رہے۔ حضرت یہ آپ کی کیا بے نیازی، بے عملی اور توکل ہے۔ اُٹھ کر جدوجہد کیجئے اور آسمان کے غلبے سے رہائی پائیے۔

دوسرے مفہوم میں "رہے" ماضی مطلق ہے۔ پہلے معنی بہتر ہیں۔

(ش)

(۶۱)

دودِ شمعِ کشتہ گل، بزم سامانی عبث
یک شبہ آشفتہ نازِ سنبلستانی عبث

گل کو چراغ سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ یہاں شمعِ گل باندھا ہے۔ شمع بجھنے کے بعد کچھ دیر تک دھنواں نکلتا رہتا ہے۔ شعر میں اسی سے خطاب ہے۔ رات کو محفل میں سجاوٹ کیلئے پھول رکھے ہوں گے صبح کو وہ مرجھائے پڑے ہیں۔ اُنہیں پھول کی شمعِ کشتہ کا دھواں قرار دیا ہے۔ دوسرے مصرع میں "یک شبہ" محاورے کے طور پر نہیں آیا۔ محاورے میں "یک شبہ" اس کو کہتے ہیں جس کی زندگی پر ایک رات گذر چکی ہو یا پھر نازک ریشم کا وہ کپڑا ہوتا ہے جس سے دولہا دُلھن کا دوپٹہ اور اوڑھنی بناتے ہیں اور یہ صرف شبِ عروسی میں کام آتے ہیں۔ یہاں تو "یک شبہ" کے معنی محض "ایک رات سے متعلق" ہیں۔ آشفتہ کا تعلق "ناز" سے بھی کیا جا سکتا ہے یک شبہ سے بھی۔ سنبلستان سنبل کے باغ کو کہتے ہیں۔ دھوئیں کی مشابہت سنبل سے ہوتی ہے۔ سنبلستانی کے معنی گلشن آرائی یا بزم آرائی سمجھئے۔ اب شعر کے معنی یہ ہوئے۔

اے پھول کی بجھی ہوئی شمع کے دھوئیں، اب تو تو ہماری بات سے اتفاق کرے گا کہ بزم آرائی بے کار ہے کیونکہ انجام تو دیکھ رہا ہے۔ ایک رات کے لئے گلشن آرائی کا ناز بے کار ہے۔

آشفتہ کو اگر "یک شبہ" کے ساتھ رکھیں تو معنی ہوں گے۔ وہ نازِ گلشن آرائی جس پر صرف ایک رات گذری ہے اور اب پریشان و منتشر ہے بے سود ہے کہ نہیں۔ اگر آشفتہ کو "ناز" کے ساتھ رکھیں تو معنی ہوں گے محض ایک رات زندہ رہنے والا گلشن آرائی کا حیران و پریشان ناز بے کار ہے۔

مندرجہ بالا تشریحات میں شمعِ کشتہ گل کی تشریح یوں کی گئی ہے "(شمعِ کشتہ) گل" اگر اسے یوں لیں۔ "شمع (کشتہ گل)" اور گل کے معنی شمع کا گل یا راکھ لیا جائے تو اس مرکب کے معنی ہوں گے "وہ شمع جسے گل نے بجھا دیا ہے" اور اب خطاب ہوگا گل آتے رہنے کی وجہ سے بجھ جانے والی شمع کے دھنوئیں سے شاید یہ تشریح دور از کار سمجھی جائے لیکن میں اسے ترجیح دوں گا اسلئے کہ شمعِ کشتہ میں دھنواں ہو سکتا ہے نیز آشفتہ اور سنبلستانی کا تعلق دھنوئیں سے واضح ہے پھول کی بجھی ہوئی شمع یعنی پژمردہ پھول میں دھنواں کہاں سے لایا جائے۔ اس لئے شعر کے موزوں تر معنی یہ ہوں گے کہ اے شمعِ مردہ کے دھنوئیں بزم آرائی بے کار ہے اور ایک رات کے لئے سنبلستان کی سی کیفیت پیدا کرنا اور اس پر ناز کرنا بے کار ہے۔

اس شعر کے معنی سرخوش نے لکھے ہیں اور پھول سے خطاب مانا ہے۔ آسی اور سنڈیلوی اس شعر سے گذر گئے ہیں۔

ہے ہوس محمل بہ دوشِ شوخیِ ساقیِ مست
نشۂ مے کے تصور میں نگہبانی عبث

محمل بہ دوش = عازمِ سفر ہونا۔ مست ساقی کی شوخی کی وجہ سے ہماری شراب نوشی کی ہوس رخصت ہوا چاہتی ہے۔ چنچل ساقی کا کوئی ارادہ نہیں کہ وہ ہمیں شراب سے مشکور کرے۔ ہم نشے کا تصور کر کے ساقی کی حرکات کی جو نگرانی کر رہے ہیں وہ بے کار و بے سود ہے۔ اس سے کوئی امید نہیں۔

باز ماندن ہائے مژگاں ہے یک آغوشِ وداع
عید در حیرت سوادِ چشمِ قربانی عبث

باز ماندن = کھلے رہنا۔ آغوشِ وداع = کسی کو وداع کرتے وقت بغل گیر ہوتے وقت ہاتھوں کا کھولنا۔ حیرت سواد = جس کے آس پاس حیرت ہی حیرت ہو۔ مذبوح کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں حیرت میں بھی آدمی کی آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں اس لئے مذبوح جانور کی کھلی آنکھوں کو حیرت کدہ قرار دیا۔ پہلے مصرع میں کہتے ہیں کہ عیدِ قرباں میں قربان ہونے والے جانور کی کھلی ہوئی پلکیں دنیا کو وداع کرنے والی آغوش ہیں۔ ذبیحہ اہلِ دنیا کے برتاؤ پر حیران ہے۔ ان آنکھوں کی حیرت

کے ہوتے ہوئے عید کی خوشی کیوں منائی جاتی۔ وداع تو رنج کا موقع ہے۔ ایسے ماحول میں عید منانا عبث ہے۔

جز غبارِ کردہ سیر، آہنگیِ پرواز کو؟
بلبلِ تصویر و دعوائے پَرافشانی عبث

غبارِ کردہ سیر: وہ غبار جس نے سیر کی ہو یعنی اُڑ رہا ہو۔ آہنگی: قصد کرنے والا۔ اُڑتی ہوئی گرد کے علاوہ پرواز کا ارادہ اور کون کر سکتا ہے۔ تصویر میں بلبل بنا ہو اور وہ پرواز کا دعویٰ کرے تو عبث ہے یعنی جس میں کسی کام کی صلاحیت نہ ہو اس کا دعویٰ کرنا بے سود ہے۔ غبارِ کردہ سیر اچھی ترکیب نہیں۔

سرنوشتِ خلق ہے طغرائے عجزِ اختیار
آرزوہا خارخارِ چینِ پیشانی عبث

عجزِ اختیار: اختیار کا عاجز ہونا یعنی بظاہر اختیار ہے لیکن درحقیقت فقدانِ اختیار ہے۔ خارخار: وغدغہ ہونا۔ چینِ پیشانی سے مراد اپنا ہی خطِ پیشانی ہے جو سرنوشت ہوتا ہے۔ انسان کا مقسوم ہی یہ ہے کہ اس کا اختیار ہر کام میں عاجز ہے۔ پس خواہش و ہوس کا یہ دغدغہ رہے کہ معلوم نہیں خطِ پیشانی میں کیا لکھا ہے تو یہ عبث کام ہے۔ چینِ پیشانی میں معذوری و مجبوری کے سوا کچھ نہیں۔ طغرائے عجزِ اختیار: ایسی تحریر جس میں کسی کے اختیارات کے محدود بلکہ معدوم ہونے کا ذکر ہو اور سرنوشتِ قسمت کو ایسی ہی تحریر قرار دیا ہے۔

جب کہ نقشِ مدعا ہووے نہ جز موجِ سراب
وادیِ حسرت میں پھر آشفتہ جولانی عبث

نقشِ مدعا: وہ نقشِ افسوں یا تحریر جس سے مدعا آئے۔ ہمارا نقشِ مدعا محض سراب کی موج ہے۔ سراب دھوکا ہوتا ہے تو اس کی موج بھی دھوکا اور موہوم ہوئی۔ جب یہ حالت ہے کہ مدعا برآری کا کوئی وسیلہ نہیں تو حسرت کی وادی میں بے مقصد بھاگ دوڑ کرنا بے کار ہے۔ اگر کامیابی کی امید صفر ہو تو کاہے کو جان ہلکان کی جائے۔

دستِ برہم سودہ ہے مژگانِ خوابیدہ اسد
اے دل از کف دادۂ غفلت پشیمانی عبث

دستِ برہم سودہ: دستِ افسوس۔ دل از کف دادہ: عاشقِ صادق۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر آپس میں رگڑا جائے تو یہ افسوس ظاہر کرتا ہے۔ یہ ملے ہوئے پنجے سوئی ہوئی پلکوں کی طرح ہیں جو انتہائے غفلت کی نشانی ہے۔ اے وہ شخص جو ہمیشہ غفلت کا عاشق رہا اب کاہے کو ہاتھ رگڑ کر

پشیمانی کا اظہار کر رہا ہے۔ تو نے بے عملی اختیار کی اس کا خمیازہ بھگت۔

(۶۲)

نازِ لطفِ عشق، باوصفِ توانائی عبث
رنگ ہے سنگِ محک، دعوائے مینائی عبث

مینائی: مینا یا شیشے کی طرح نرم و نازک و حساس ہونا۔ جس شخص تندرست و توانا ہو وہ عشق کے لطف اٹھانے کا دعویٰ کرے تو غلط ہے۔ رنگِ رخ کسوٹی کے پتھر کی طرح ہے۔ کسوٹی سونے کے کھرے کھوٹے کا پتہ دیتی ہے۔ چہرے کا رنگ دل کی حالت کا۔ سرخ و سفید رنگ اور صحت مندانہ بشرہ عشق کے عدم کی خبر دیتا ہے۔ رنگ کی زردی عشق کی۔ کوئی اچھا تگڑا ہونے کے باوجود دعویٰ کرے کہ عشق نے اسے مینا کی طرح نازک بنا دیا ہے ٹھیس لگی اور ریزہ ریزہ ہو گیا تو یہ دعویٰ بے کار ہے۔

ناخنِ دخلِ عزیزاں، یک قلم ہے نقب زن
پاسبانیِ طلسمِ گنجِ تنہائی عبث

ناخنِ دخل: اعتراض سے کنایہ ہے۔ یک قلم: تمام، سب کے سب۔ میں محفل سے دور گوشہ نشینی میں رہتا ہوں لیکن عزیز اور دوست میرے معاملات میں دخل دے کر مین میخ نکالتے رہتے ہیں۔ میں جو تنہائی کے بیش بہا دفینے کی حفاظت کرتا ہوں وہ بے کار ہے کیونکہ دوستوں کے اعتراضات میرے دفینے میں نقب لگاتے ہیں یعنی میری تنہائی میں مخل ہوتے ہیں۔

محملِ پیمانۂ فرصت ہے بردوشِ حباب
دعویِ دریاکشی و نشہ پیمائی عبث

دریاکشی: دیر میں مست ہونا یعنی بہت ساری شراب پینے کے بعد نشے میں آنا۔ محملِ سفر کی علامت ہے۔ پیالے کی مماثلت بھی محمل سے ہوتی ہے کیونکہ دونوں اوپر سے کھلے ہوتے ہیں۔ حباب بے ثباتی و فانی ہونے کی علامت ہے۔ زندگی کی فرصت کا محمل حباب کے کندھوں پہ ہے یعنی زندگی کی فرصت بھی کیا۔ پیدا ہوئے اور ختم ہو گئے۔ ایسے میں یہ دعویٰ کیا جائے کہ ہم تو دریا کا دریا شراب چڑھا جاتے ہیں اور اس کے بعد نشہ آتا ہے تو یہ دعویٰ بے کار ہے۔ عیش کی فرصت ہی کہاں ہے۔

جانِ عاشق، حاملِ صد غلبۂ تاثیر ہے
دل کو اے بیداد خو، تعلیمِ خارائی عبث

عاشق کی جان بہت سی تاثیر کا سامان رکھتی ہے۔ اے ظالم محبوب تو اپنے دل کو سنگِ خارا

کی طرح سخت بنانے کی کوشش جو کر رہا ہے یہ عبث ہے۔ عاشق کا حالِ زار تیرے دل پر اثر کرکے رہے گا۔

یک نگاہِ گرم ہے جوں شمع سرتا پا گداز
بہرِ از خود رفتگاں رنجِ خود آرائی عبث

نگاہِ گرم: غیظ آلودہ نگاہ۔ عاشقوں کو تو ایک قہر آلود نگاہ سے دیکھے تو وہ شمع کی طرح سر سے پاؤں تک پگھل جائیں گے۔ وہ عشق میں خود فراموش ہیں ان کو متاثر کرنے کیلئے تو خود آرائی کی تکلیف کاہے کو اُٹھاتا ہے جب کہ ان کے لئے محض ایک نگاہ کافی ہے۔

قیس بھاگا شہر سے شرمندہ ہو کر سوئے دشت
بن گیا تقلید سے میری یہ سودائی عبث

قیس خود کو بہت بڑا عاشق سمجھتا تھا لیکن شہر میں رہتا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ ایک اور زبردست عاشق غالب ہے جو جنگل میں خاک اُڑاتا ہے۔ قیس کو یہ سن کر شرمندگی ہوئی کہ وہ شہر ہی میں رہ رہا ہے۔ وہ بھی جنگل میں بھاگا اور وہاں جنوں کے عالم میں جولانی شروع کی۔ میری تقلید میں خواہ مخواہ آوارہ و سودائی ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ہادی ہیں قیس ہمارا پیرو ہے۔

اے اسدؔ بے جا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز
عالمِ تسلیم میں یہ دعوی آرائی عبث

اے اسدؔ یہ ناز بے جا ہے کہ ہم نیاز و عجز کی وجہ سے ہمیشہ سر بہ سجود رہتے ہیں۔ محبوب کے آگے تسلیم و وفا کی دُنیا میں یہ تعلی آمیز دعوے بے کار ہیں۔ یہ عاشق کا فریضہ ہے اس پر ناز کیا کرنا۔ شعر کو حقیقت میں لیجئے۔ لوگوں کے سامنے یہ تذکرہ کہ ہم تو خدا کی مرضی سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے اس کے سب احکام مانتے ہیں پانچوں وقت سجدہ کرتے ہیں۔ یہ سب نامناسب ہے۔ عبادت کا ڈھنڈورا پیٹنا عاجزی کی وجہ سے نہیں ناز و غرور کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر تم خدا کی مرضی کو قبول کرتے ہو تو اس پر ناز کیا کرنا۔

(ج)

(۶۳)

معزولیٔ تپش ہوئی افراطِ انتظار
چشمِ کشادہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

معزولیٔ تپش: بے قراری کا ختم ہو جانا۔ حلقۂ بیرونِ در: دروازے کے باہر کی کنڈی میں رات بھر محبوب کا انتظار کرتا رہا۔ جب بہت انتظار کے بعد وہ نہ آیا تو یقینی ہو گیا کہ اب وہ نہ آئے گا۔ مایوسی کی وجہ سے میں آنکھ کھولے دروازے کے باہر کھڑا رہا۔ اس طرح میری کھلی آنکھ دروازے کی باہری زنجیر بن کر رہ گئی۔ آنکھ کے حلقے کی مشابہت کنڈی کے حلقے سے ہے۔

شعر کے ایک اور معنی بھی ہیں۔ انتظار میں کھلی رہنے والی آنکھ نے یہ یقینی کر دیا کہ اب کوئی نہیں آئے گا جس طرح دروازے کو بند کر کے کنڈی لگا دی جائے تو اس کے معنی ہیں کہ اب کوئی غیر اندر داخل نہ ہو گا۔ کھلی آنکھ بھی دروازے پر کنڈی لگا دینے کے مترادف ہے۔ بے قراری کو گھر سے نکال دیا گیا ہے۔ اب اس پر دروازہ بند کر لیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا تشریح آسی کی ہے۔ اس میں تھوڑی سی قباحت یہ ہے کہ کسی کو گھر سے نکال کر اندر کی کنڈی لگائی جاتی ہے۔ باہر کی کنڈی لگانے کے معنی خود بھی باہر نکل جانا ہے۔ اس لئے چشمِ کشادہ انتظار کی علامت ہے بے قراری پر در بند کرنے کی نہیں۔

حیرت فروشِ صد نگرانی ہے اضطرار
ہر رشتہ چاکِ جیب کا تارِ نظر ہے آج

نگرانی: فرہنگِ آنند راج میں نگراں کے معانی میں سب سے پہلے "منتظر" دیا ہے۔ نگرانی کے معنی ہوئے انتظار میں چشم براہ ہونا۔ بے چینی کے عالم میں ہم محبوب کے راستے کی طرف نگراں ہیں۔ اس انتظار میں حیرت کا عالم ہے غالباً اس لئے کہ محبوب نہیں آیا۔ بے چینی میں ہم نے گریباں چاک کر دیا ہے بلکہ تار تار کر دیا ہے۔ دیدار کی شدید خواہش کی وجہ سے گریباں کا تار نگاہ کا تار بن گیا ہے۔ غالبؔ کے اشعار میں حیرت کا بہت ذکر آتا ہے۔ دیدار کے وقت حیرت کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ نگرانی کے معنی انتظار (دید سے پہلے کی منزل) میں نظر وا رکھنا نہیں بلکہ خاص دیدار کے پیچ نظر بازی کے ہیں۔ اس طرح شعر کے معنی یہ ہوں گے۔ "اضطراب میں محبوب کا تصور کر رہے ہیں گویا اسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دید کی حیرت کا وفور ہے۔ چاکِ گریباں کا ہر تار تارِ نظر بن گیا ہے اور محبوب کی دید میں معاون ہو رہا ہے۔" اس تشریح سے حیرت کے معنی نکھر آئے ہیں لیکن اضطرار کے معنی دھندلا گئے ہیں۔ دیدار سے سکون ملنا چاہیئے اضطرار نہیں۔ پہلی تشریح بہتر ہے لیکن انتظار میں حیرت کا جواز نہیں۔ لیکن غالبؔ کو تو حیرت کے استعمال کا مراق تھا۔ موقع ہو کہ نہ ہو وہ حیران اور حیرت فروش ہیں۔

ہوں داغِ نیم رنگیِ شامِ وصالِ یار
نورِ چراغِ بزم سے جوشِ سحر ہے آج

شبِ وصال کے وارفتہ کو نورِ سحر سب سے زیادہ ڈراونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اندھیرا ہی اندھیرا رہے۔ روشنی کی کوئی رمق بھی اُجاگر نہ ہو۔ میں نے وصل کے حجرے میں چراغ جلایا ہوا ہے۔ اس کے نور سے بزم میں کچھ کچھ صبح کی کیفیت ہو گئی ہے۔ مجھے صبح کی کوئی بھی علامت ناگوار ہوتی ہے۔ شبِ وصال کا مزا تبھی ہے کہ اس میں صبح اور متعلقاتِ صبح کی کوئی آمیزش نہ ہو۔ نورِ چراغ سے رات نیم رنگ ہو گئی ہے اور مجھے اس بات کا ملال ہے۔

کرتی ہے عاجزیِ سفرِ سوختن تمام
پیراہنِ خسک میں غبارِ شرر ہے آج!

خسک: خس کا بیج: یہاں محض تنکے کے معنی میں ہے۔ تنکا بہت عاجز اور خاکسار ہوتا ہے آج اس کی عاجزی جلنے کا سفر تمام کرتی ہے یعنی جلنے کی منزلِ منتہا پر پہنچ گئی ہے جس طرح سفر کے بعد کپڑوں میں غبار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تنکے کے کپڑوں میں شرر کا غبار ہے یعنی تنکے نے عاجزی کی منزل اس طرح مکمل کی کہ آگ کا نوالہ بن کر راکھ ہو گیا۔

آسی نے پہلے مصرع کو اپنی سرگذشت قرار دیا ہے اور دوسرے مصرع کو اس کی تشبیہ۔ میری رائے میں پہلے مصرع میں بھی خسک ہی کا ذکر ہے۔

تا صبح ہے بہ منزلِ مقصد رسیدنی
دودِ چراغِ خانہ غبارِ سفر ہے آج

شاعر منزلِ مقصود کہنا چاہتا تھا لیکن وزن کی مجبوری سے منزلِ مقصد باندھ گیا۔ کوئی کچے راستے پر تیزی سے سفر کرتا ہے تو گرد اُٹھتی جاتی ہے۔ چراغ کا اُڑتا ہوا دھواں بھی غبارِ راہ کے اُڑنے سے مشابہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ چراغ بھی کسی سفر میں گامزن ہے۔ اسے صبح تک منزلِ مقصود پر پہنچنا ہے رات بھر چلتا رہے گا۔ منزلِ مقصود کیا ہے؟ سفرِ حیات کے بعد موت جو چراغ کے بجھنے کی شکل میں نمودار ہو گی۔

آسی نے پہلے مصرع کو انسان کے سفرِ حیات سے متعلق کیا ہے اور سندیلوی نے بیمار کے رات کاٹنے سے میری عرض ہے کہ پہلے دونوں مصرعوں کو چراغ کے بارے میں لے لیجئے اس کے بعد دونوں مصرعوں کی انسانی زندگی پر تطبیق کر دیجئے۔ اس طرح پورا شعر تمثیلی ہو جاتا ہے۔

دور افتادۂ چمنِ فکر ہے اسد
مرغِ خیال بلبلِ بے بال و پر ہے آج

اگر بلبل کے بال و پر نوچ لئے جائیں تو وہ اُڑ نہیں سکتی باغ تک نہیں پہنچ سکتی دور ہی پڑی رہے گی۔ اسد کے تخیل کا بھی یہی حال ہے۔ وہ معذور ہے سر دست فکر کے باغ تک نہیں جا سکتا شعر نہیں کہہ سکتا۔

(۶۴)

جنبشِ ہر برگ سے ہے گل کے لب کو اختلاج
جبِ شبنم سے صبا ہر صبح کرتی ہے علاج

لب کا اختلاج: ہونٹوں کا پھڑکنا ہوا سے پھول کی ہر پنکھڑی جو ہلتی ہے وہ دراصل پھول کے ہونٹوں کو لرزے کی بیماری ہے۔ بیماری میں صبح کے وقت گولیاں کھلائی جاتی ہیں۔ پھول کی بیماری کیلئے صبا ہر تڑکے اسے قطراتِ شبنم کی گولی کھلاتی ہے تاکہ اس کا علاج ہو جائے۔

شاخِ گل جنبش میں ہے گہوارہ آسا ہر نفس
طفلِ شوخِ غنچۂ گل بسکہ ہے وحشی مزاج

زیادہ شریر بچے کو گہوارے میں ڈال کر مسلسل ہلاتے رہنا پڑتا ہے تاکہ وہ رو کر گھر سر پر نہ اُٹھا لے۔ پھول کی کلی بھی بہت وحشی مزاج بچے کی طرح ہے اس لئے پھول کی ٹہنی مسلسل پالنے کی طرح ہلتی رہتی ہے۔

سیرِ ملکِ حسن کو مے خانہ ہا نذرِ خمار
چشمِ مستِ یار سے ہے گردنِ مینا پہ باج

کوئی ملکِ حسن کی سیر کرے یعنی محبوب کا چہرہ اور چشم دیکھے تو اس کا خمار دور کرنے کے لئے مے خانے کے مے خانے موجود ہیں۔ یار کی مست آنکھ سے مینائے شراب کی گردن پر خراج واجب ہے کیونکہ چشم میں مینا سے زیادہ مستی ہے۔ مینا چشم کی محکوم ہے۔ شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ یار کی آنکھ مے خانے کا کام کرتی ہے۔

گریہ ہائے بے دلاں گنجِ شرر در آستیں
قہرمانِ عشق میں حسرت سے لیتے ہیں خراج

قہرمان کے معنی جاہ و جلال اور قہر کی حکومت کے بھی ہیں۔ بے دلوں کا گریہ نہیں ہے یہ بے

دلوں کی آستیں میں گنجِ شرر کی فراہمی ہے۔ حفاظت کی خاطر آستیں میں زر چھپا کر سفر کیا جاسکتا ہے۔ آنسو جلتے ہوتے ہیں۔ آستین سے انہیں پونچھا جائے تو گویا آستین میں گنجِ شرر ہو گیا۔ عشق کی حکومت بڑی قہر کی ہے اس میں منجملہ اور لوگوں کے "حسرت" سے بھی خراج وصول کیا جاتا ہے حسرتِ مجسم ہے عاشق اس کے پاس گنجِ شررِ اشک ہے۔ عشق اس خزانے کو وصول کرتا ہے گویا حسرت سے محصول لیا

اس تشریح میں خراج وصول کرنے والا عشق ہے اور خراج دینے والا آستین میں پوشیدہ گنجِ شرر۔ سرخوش اور آسی کے نزدیک خراج وصول کرنے والی آستین ہے اور خراج دینے والی آنکھ۔ اس طرح اول الذکر نے ایک خزانہ جمع کر لیا ہے۔

ہے سوادِ چشمِ قربانی میں یک عالم مقیم
حسرتِ فرصت جہاں دیتی ہے حیرت کو رواج

سواد: سیاہی اور نواح۔ یہاں دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ جو جانور قربان کیا جاتا ہے اسے حسرتِ فرصت ہوتی ہے کیونکہ اس کا زمانۂ حیات ختم ہو رہا ہے اس کی آنکھ میں حیرت بھی شدت کے ساتھ ہوتی ہے۔ حیرت کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے، زندگی کا اتنا مختصر ہونا، بے سبب قتل ہونا۔ مذبوح کو ساری دُنیا اصلی رنگ میں دکھائی دے جاتی ہے۔ اب شعر کے معنی صاف ہو جاتے ہیں جان دینے والے جانور کو فرصتِ حیات کی قلت سے حسرت ہے اور دُنیا والوں کے ظلم پر حیرت ہے۔ اس کی آنکھ کی سیاہی میں ساری دُنیا سمائی ہوئی ہے یعنی وہ ساری دُنیا کی بے انصافیوں کی عکاسی کر رہی ہے۔

اے اسدؔ ہے مستعدِ شانۂ گیسو شدن
پنجۂ مژگاں بہ خود بالیدنی رکھتا ہے آج

مژگاں اور شانے کی مشابہت ظاہر ہے۔ مژگاں اور شانہ دونوں کی مشابہت پنجۂ دست سے بھی ہے۔ پنجۂ مژگاں کس کا ہے؟ عاشق کا یا محبوب کا۔ دونوں تشریحوں سے دو معنی نکلتے ہیں۔
(۱) اے اسدؔ میں محبوب کے گیسوؤں کو دیکھنے کے لئے آنکھیں لگائے ہوں۔ میری پلکیں گیسوؤں کو دیکھنے ہی کو نہیں چھونے کو بے تاب ہیں آگے کو بڑھی جا رہی ہیں۔ شاید یہ گیسوؤں میں شانے کا کام کرنا چاہتی ہیں۔ (۲) محبوب کی پلکیں دراز سے دراز تر ہوتی جاتی ہیں۔ کیا یہ بڑھ کر زلفوں تک پہنچیں گی تاکہ ان میں شانہ کر سکیں۔ پلکوں کیلئے درازی وصف ہے۔

چ

(۶۵)

نہ کہہ کہ طاقتِ رسوائیِ وصال نہیں
اگر یہی عرقِ فتنہ ہے، مکرر کھینچ

عرقِ فتنہ: سنجد کے پھولوں کا عرق۔ اُردو میں عطرِ فتنہ مشہور ہے۔ محبوب کو عطر عزیز ہوتے ہیں اس لئے عطرِ فتنہ اور عرقِ فتنہ بھی پسند ہونے چاہئیں۔ محبوب فتنہ اُٹھانا چاہتا ہے اس لئے کم ازکم نام کی وجہ سے اسے عرقِ فتنہ مرغوب ہونا چاہیئے۔ اب محبوب سے کہتے ہیں کہ یہ نہ کہہ کہ میں تجھ سے وصل کر کے رسوا ہونے کی تاب نہیں رکھتا۔ اگر اس فعل سے فتنہ بپا ہوتا ہے تو تمہیں تو عرقِ فتنہ پسند ہے۔ اسے دوبارہ کشید کر لو یعنی وصل ایک بار پھر ہو جائے۔

جنونِ آئنہ، مشتاقِ یک تماشا ہے
ہمارے صفحے پہ بالِ پری سے مسطر کھینچ

مسطر: سطریں کھینچنے کا آلہ۔ مسطر کھینچنا: سطریں بنانا۔ پہلے مصرع کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ آئینہ کے سر میں جنون ہو رہا ہے کہ وہ تمہارا ایک جلوہ دیکھے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ تمہیں ہر وقت آئینہ دیکھنے کا جنون ہے وہ ایک تماشا، ایک ہنگامہ کھڑا کرنے کا مشتاق ہے۔ پہلے معنی کو ترجیح ہے۔ دونوں صورتوں میں محبوب آئینے کے سامنے جائیگا تو اپنی آرائش کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کو جنون ہوگا۔ پری کا سایہ کسی پر پڑ جاتا ہے تو اسے جنون ہو جاتا ہے۔ اس لئے صفحے پر پری کے پنکھ سے سطریں کھینچنے کے معنی ہیں کہ ہمارے صفحۂ تقدیر پر جنون کا فرمان لکھ دے۔ سطر کھینچنا تحریر کی تیاری ہے۔ شعر کے معنی مختصراً یہ ہوئے کہ آئینہ کو تجھے دیکھنے کا جنون ہے اگر ایسا ہوتا ہے تو ہمیں تو پاگل ہوا سمجھ۔

خمارِ منتِ ساقی اگر یہی ہے، اسدؔ
دلِ گداختہ کے مے کدے میں ساغر کھینچ

خمار: زوالِ نشہ۔ دلِ گداختہ: پگھلا ہوا یعنی رنجیدہ دل۔ ساقی کی منت کو خمار سے تشبیہ دی ہے کیونکہ وہ شراب تو دیتا نہیں اور شراب کی عدم موجودگی میں خمار ہی ملتا ہے۔ اگر ساقی کی خوشامد کا اتنا خمار اُٹھانا پڑتا ہے تو اس دردِ سر سے بہتر ہے کہ غمگین دل کے مے کدے میں غم کا ساغر پی۔

یعنی رنجور و محروم رہنا بہتر ہے چونکہ لفظ گداختہ میں پگھلنے اور سیال ہونے کا شائبہ ہے اس لئے اسے مشروب قرار دیا۔

(۶۶)

بے دل، نہ نازِ وحشتِ جیبِ دریدہ کھینچ
جوں بوئے غنچہ یک نفس آرمیدہ کھینچ

جیبِ دریدہ: چاک گریبان جو وحشت کی علامت ہے پھول کا دامن چاک ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں غنچہ کا دامن چاک نہیں ہوتا۔ دوسرے مصرع میں بے دل کو بوئے غنچہ کی طرح رہنے کی تلقین نہیں کی بلکہ بے دل کے سانس کو بوئے غنچہ کی تقلید کو کہا ہے اے عاشق تو وحشت میں چاک گریبانی نہ کر۔ جس طرح غنچہ کا گریباں صحیح سالم ہے اور وہ آرام کا سانس لے رہا ہے جو اس کی خوشبو ہے اسی طرح تو بھی اگر چاک گریباں نہ کرے تو چین کا سانس لے سکتا ہے۔

یک مشتِ خوں ہے پرتوِ خور سے تمام دشت
دردِ طلب بہ آبلۂ نادمیدہ کھینچ

دردِ طلب: محبوب کی طلب کے راستے کی تکالیف۔ وحشت زدہ عاشق محبوب کی طلب میں دشت میں جولانی کرتا ہے پاؤں میں آبلے پڑتے ہیں درد ہوتا ہے زمین پر خون بکھرتا ہے یہ دردِ طلب ہے۔ اب اس کے بغیر ہی جنگل سرخ ہے اور یہ سورج کی دھوپ سے ہوا جیسے زمین خون میں رنگ گئی ہو۔ شاعر عاشق سے کہتا ہے کہ جنگل میں خون تو بکھر ہی گیا اب آبلے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہی۔ تو اس آبلے کا تصور کر جو ظاہر نہیں ہوا اور اس کی یاد کی مدد سے دردِ طلب میں مبتلا ہو۔ عاشق کا فرض ہے دشت کو خون سے رنگ دینا یہ کام کسی طرح ہو ہی گیا اس لئے اب آبلۂ نا آفریدہ کا سہارا لو۔

پیچیدگی ہے حاصلِ طومارِ انتظار
پائے نظر بہ دامنِ شوقِ دویدہ کھینچ

شوقِ دویدہ: دوڑا ہوا شوق یعنی وہ شوق جو محبوب کی طرف کو دوڑتا چلا جا رہا ہے۔
پا بہ دامن کشیدن: چلنا پھرنا ترک کرنا، لیکن نظر کے پاؤں کو بھاگتے ہوئے شوق کے دامن میں سمیٹ لینے کے معنی ہیں کہ شوق کے ساتھ ساتھ نظر بھی دوڑ جائے گی۔ معنی یوں ہوئے محبوب کسی دور کے مقام پر ہے۔ عاشق یہاں بیٹھا پیچ و تاب میں مبتلا ہے۔ محبوب پر کوئی اثر نہیں۔ عاشق کو لمبا انتظار کرنا پڑے گا۔ شاید اس کے بعد محبوب آئے تو ہجر میں تڑپ کی دین محض ایک

طویل سلسلۂ انتظار ہو سکتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنے شوق کے ساتھ ساتھ نظر کو بھی روانہ کر دے اور محبوب کو دیکھ لے۔

اگر حاصل کی جگہ حامل ہو تو معنی اور بھی صاف ہو جائیں۔ بہ صورت موجودہ پیچیدگی کو اولیت ہے جس کا نتیجہ طومارِ انتظار ہے۔ اگر "حامل" ہو تو طومارِ انتظار پہلی منزل ہوگی جس کا نتیجہ پیچیدگی ہوگا اور یہ موزوں تر ہے۔

برقِ بہار سے ہوں میں پا در حنا ہنوز
اے خارِ دشت، دامنِ شوقِ رمیدہ کھینچ

پا در حنا ہونا: مجروح ہونا۔ دامن کھینچنا: باز رکھنا، مزاحم ہونا۔ بہار میں میرے پاؤں پر بجلی گری جس سے مجروح ہو کر میں نے پاؤں پر حنا باندھ رکھی ہے۔ یعنی بہار کے جنون سے میں نے صحرا میں اتنی جست و خیز کی کہ پاؤں زخمی کر لئے۔ اب بھی مجھے رم اور جولانی کا شوق ہے۔ اے جنگل کے کانٹے تو میرے شوق کا دامن کھینچ کر اسے رم سے باز رکھ یعنی میرے پاؤں میں چبھ جا تاکہ رم ممکن نہ رہے۔

بے خود بہ لطفِ چشمکِ عبرت ہے چشمِ صید
یک داغِ حسرتِ نفسِ ناکشیدہ کھینچ

چشمک: حسینوں کا گوشۂ چشم سے اشارہ کرنا۔ پہلے مصرع کے معنی یہ ہیں۔ صید کو ذبح کیا جاتا ہے اس کی آنکھ کھوئی کھوئی معلوم ہوتی ہے۔ در اصل یہ چشمِ عبرت کے اشارے پر مست ہے عبرت اس بات پر ہے کہ اہلِ دنیا ظالم ہیں اس کی زندگی ختم ہو رہی ہے۔

دوسرے مصرع میں یہ ابہام رہتا ہے کہ نفس کھینچنے کا فاعل کون ہے۔ صید یا صیاد؟ دوسرے مصرع کا مخاطب تو بہر حال صیاد یا قاتل ہے۔ اگر نفس کھینچنا اسی سے متعلق کیا جائے تو نفس ناکشیدہ کے معنی ہوں گے وہ آہ جو نہیں کی گئی۔ اے صیاد تو صید کے حالِ زار پر آہ کرنا چاہتا تھا لیکن اب دیکھتا ہے کہ اس کی آنکھ میں غم کا نشان نہیں وہ تو مست ہے۔ اب تیرے لئے آہ کا کوئی مقام نہیں رہا اس لئے تو اس آہ کی حسرت کا داغ اٹھا۔ اگر نفس کا فاعل صید ہے تو یہاں اس سانس کی طرف اشارہ ہے جو قتل کے باعث صید نہ لے سکے گا۔ اسے حسرت ہے کہ زندگی میں اتنی اور مہلت مل جائے کہ وہ ایک سانس اور لے سکے۔ قاتل تو نے اسے قتل کر دیا اس لئے اس کی اس حسرت کا داغ تیرے دامن پر ہے۔ صید کو عبرت بھی اسی وجہ سے ہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔

پہلے معنی زیادہ قرینِ قیاس ہیں۔ ضروری نہیں کہ صید قتل ہو رہا ہو۔ صیاد اسے پکڑے لئے جا رہا ہے۔ صید کی آنکھ مست ہے اس لئے صیاد کو آہ کی حسرت کا داغ برداشت کرنا ہوگا۔

بزمِ نظر میں بیضۂ طاؤس خلوتاں
فرشِ طرب بہ گلشنِ نا آفریدہ کھینچ

بزمِ نظر: بزم آرائے نظر، رونقِ نظر۔ بیضۂ طاؤس خلوتاں: وہ لوگ جو بیضۂ طاؤس کی خلوت میں رہتے ہیں۔ غالب کیلئے طاؤس رنگ و رونق کی علامت ہے۔ بیضۂ طاؤس مستقبل میں آنے والی رونق کا تصور ہے۔ بیضۂ طاؤس خلوتاں وہ لوگ ہیں جو مستقبل میں رنگینی و رونق کے سپنے دیکھتے ہیں مثلاً شعرا، مفکرین، آدرش وادی۔ فرش کھینچنا: فرش بچھانا۔ وہ لوگ جو مستقبل کی رنگ و رونق کے تصور میں گم ہیں وہ ہماری نظر کیلئے قابلِ دید ہیں۔ جنتِ نظر ہیں۔ تو بھی خوشی کی بزم سجانے کیلئے فرش بچھا لیکن موجودہ باغوں میں نہیں بلکہ اس باغ میں جو ابھی پیدا نہیں ہوا بلکہ آئندہ پیدا ہوگا۔ بزمِ نظر کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خوش آئند مستقبل کے سپنے دیکھنے والے نظرِ خیال سے بزم آرائی کرتے ہیں۔

مُراد یہ ہے کہ جو آدرش وادی فنکار مستقبل کے بارے میں رنگین تصور رکھتے ہیں۔ وہ لبا غنیمت ہیں تو بھی ان کے عقیدے کی تقلید کر۔ غالب نے ایک اور جگہ یہی کہا ہے۔

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

●

دریا بساطِ دعوتِ سیلاب ہے اسدؔ
ساغر بہ بارگاہِ دماغِ رسیدہ کھینچ

دماغ رسیدہ: سرخوش دماغ۔ آسی نے اس محاورے کو نہ سمجھ کر اس کے معنی سمجھنے والا دماغ لئے ہیں۔ پہلے مصرع کی دو قرأتیں ممکن ہیں۔ پہلے میں دریا کے بعد وقفے کا نشان ہوگا۔ دوسری میں دریا بساط کو ایک مرکب مانا جائے گا۔

(۱) دریا، بساطِ دعوتِ سیلاب ...۔ بساطِ دعوت: دسترخوان۔ اے اسد دریا کا ظرف اتنا ہے کہ وہ سیلاب کی دعوت دے سکتا ہے یا سیلاب کا دسترخوان چن سکتا ہے۔ تیرا دماغِ مست بھی اتنا ہی بڑا حوصلہ رکھتا ہے۔ اس لئے تو مست دماغ کی بارگاہ میں ساغر پہ ساغر چڑھا۔

(۲) دریا بساط کو ایک ترکیب مان لیجئے۔ اب "ہے" کا مبتدا دماغِ رسیدہ ہوگا۔ تیرا مست دماغ سیلاب کی دعوت کیلئے دریا جیسا دسترخوان رکھتا ہے۔ یعنی تیرا دماغ اتنا وسیع حوصلہ رکھتا ہے کہ سیلاب تک کی دعوت کر سکتا ہے۔ اس لئے تو اس دماغ کی بارگاہ میں ساغر پر ساغر پیئے جا۔

میری رائے میں پہلی قرأت اور پہلی تشریح موزوں تر ہے۔

(۶۷)

قطعِ سفرِ ہستی و آرامِ فنا، ہیچ
رفتار نہیں بیشتر از لغزشِ پا، ہیچ

اس پوری غزل میں شاعر دُنیا و مافیہا کی ہر چیز سے بے زار ہے۔ حیات و عدم دونوں کو ہیچ سمجھتا ہے۔ سفرِ زندگی کا طے کرنا بھی ہیچ ہے اور اس سفر کے بعد موت کا آرام بھی ہیچ ہے۔ رفتار محض بے ارادہ پاؤں کی لغزش سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہے اور یہ بالکل ہیچ ہے۔ یعنی زندگی کا سفر یا زندگی کے افعال پر نہ انسان کو کوئی دخل ہے نہ وہ قابلِ فخر ہیں۔

میں نے "پا" کے بعد وقفے کا نشان رکھا ہے۔ سرخوش نے اس مصرع کے معنی لئے ہیں کہ رفتار لغزشِ پا سے زیادہ، ہیچ نہیں ہے" اس طرح رفتار کی تعریف ہوتی ہے جو اس غزل کی فضا کے منافی ہے۔

حیرت ہمہ اسرار، پہ مجبورِ خموشی
ہستی نہیں جز بستنِ پیمانِ وفا، ہیچ

سلوک کا ایک مقام حیرت بھی ہے۔ ہستی کے بیچ انسان حیرت کے عالم میں ہے لیکن حیرت کس بات پر ہے یہ واضح نہیں بالکل راز بنی ہوئی ہے۔ سالک یا شاہد جانتا ہے کہ اسے کس بات پر حیرت ہے لیکن وہ مجبور ہے خاموش رہنے کے لئے۔ انسان نے خدا سے پیمانِ وفا باندھا ہوا ہے وہ رازِ ہستی کو افشا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس پیمان کا جزو ہے۔

تمثال گدازِ آئینہ ہے عبرتِ بینش
نظارہ تحیر، چمنستانِ بقا، ہیچ

ہستی ایک آئینہ ہے جس میں آدمی کا عکس دکھائی دے رہا ہے لیکن یہ آئینہ تصویر کو رفتہ رفتہ پگھلا کر ختم کر رہا ہے۔ ایسے آئینہ میں دیکھنے اور اس کے وصف سے آگاہ ہوتے پر نگاہ کو عبرت ہوتی ہے۔ دُنیا کا نظارہ محض تحیر عطا کرتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر دوسری دُنیا یعنی عالمِ بقا کے باغ پر نظر ڈالیں تو وہ بھی ہیچ ہے یعنی دُنیا عبرت کا مقام ہے اس کا نظارہ کرنے

سے حیرت ہوتی ہے۔ دوسری دُنیا ہیچ ہے یعنی سب کچھ نامرغوب و بے سود ہے۔ دوسرے مصرع میں نظارہ تحیّر ایک مرکب ہو سکتا ہے اور اس صورت میں چمنستان لقا کی صفت ہوگا۔ وہ چمنستانِ بقا جو نظر کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، ہیچ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ "نظارہ تحیّر" کو ایک جملہ مانا جائے جس کے بیچ میں "ہے" کا لفظ محذوف ہے۔

گلزار دمیدن، شررستان رمیدن
فرصت تپش و حوصلۂ نشو و نما، ہیچ

نسخۂ عرشی میں گلزار اور شررستان پر اضافت دی ہے۔ میری رائے میں اضافت نہ ہو تو بہتر ہے۔ ایک چیز ہے گلزار کا پھولنا جو معلوم ہوتا ہے کہ بہت دنوں تک قائم رہے گا۔ دوسری چیز ہے کسی چیز سے بہت سے شرر نکلنا جو ادھر نکلے ادھر پرواز کر گئے۔ یعنی نہایت فانی ہیں۔ باغ کے پھول بھی شرر کی طرح سُرخ ہوتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ باغ میں پھولوں کا پھولنا محض چنگاریوں کی طرح ہے جو مائلِ رم ہیں۔ زندگی کی فرصت محض تپش و اضطراب ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ دُنیا میں نشو و نما کا حوصلہ ہیچ ہے کیونکہ یہاں کا قیام بہت مختصر ہے۔ اگر فرصتِ تپش ہوتا تو بہتر ہوتا اور پھر اس کا تعلق شررستاں سے ہو جاتا لیکن شعر کے وزن میں فرصتِ تپش نہیں آتا۔

آہنگِ عدم نالہ بہ کہسار گرو ہے
ہستی میں نہیں شوخیِ ایجادِ صدا، ہیچ

نالہ بکہسار گرو: وہ آواز جو کوہ کے پاس گرو رکھ دی گئی ہو۔ یہ پہاڑ کی صدائے بازگشت ہے۔ عدم کے راگ کو محض ایک نالے کی آوازِ بازگشت کہا ہے جو کوئی وقیع چیز نہیں۔ ہستی میں بھی تازگیِ آواز نہیں یعنی یہاں بھی ہر چیز باسی ہے۔ ایسی ہستی ہیچ ہے۔ اس جگہ ہیچ کے معنی کوئی بھی سمجھے جا سکتے ہیں۔

کس بات پہ مغرور ہے اے عجزِ تمنّا
سامانِ دعا وحشت و تاثیرِ دعا ہیچ

عجزِ تمنّا: تمنّاؤں کے معاملے میں عاجز ہونا یعنی ترکِ تمنّا۔ ہم نے تمنّاؤں کو اس لئے ترک کیا کہ انہیں پورا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ عجزِ تمنّا چاہتا ہے کہ دُنیا کے سامنے قناعت و توکّل کا روپ دھار کر اکڑتا پھرے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے فقدانِ تمنّا غرور کا کون سا مقام ہے۔ اگر تمنّا کرکے اس کی برآری کیلئے دعا مانگی ہوتی تو دعا کا اہتمام کرنا محض وحشت ہے اور دعا میں تاثیر کا پتا نہیں۔ گویا تمنّا کی بھی ہوتی تو

موجودہ حالت ہی رہتی۔ اس لئے عجزِ تمنّا دراصل مجبوری کا اعتراف ہے۔

سندیلوی نے عجزِ تمنّا کے معنی عبادت لئے ہیں کہ عبادت میں عجز بھی ہوتا ہے تمنا بھی اور دوسرے مصرع میں دعا کا بھی ذکر ہے۔ لیکن عبادت گزاروں کا غرور دعا مانگنے سے متعلق نہیں ہوتا خود کو زیادہ پاک صاف بے گناہ اور مقدس ظاہر کرنے پر ہوتا ہے۔ غزل کی عام بے زاری کی فضا دیکھتے ہوئے یہاں تمناؤں کا فقدان مراد ہے۔ عجز کا لفظ لا کر شاعر نے واضح کر دیا ہے کہ یہ مرضی سے ترکِ تمنا نہیں بلکہ عاجز ہونے کی وجہ سے ہے۔

آہنگِ اسدؔ میں نہیں جز نغمۂ بیدل
"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما، ہیچ"

اسدؔ کے راگ میں بیدل کی لے کے سوا اور کوئی اپنی بات نہیں یعنی اسدؔ کی شاعری میں بیدل کا رنگ ہے۔ دُنیا میں ہماری شہرت ہے لیکن ہم ہیچ ہیں کیونکہ ہمارا کمال دوسرے سے مستعار ہے۔ مصرعِ ثانی بیدل کا ہے۔

(ح)

(۶۸)

دعویِ عشقِ بتاں سے بہ گلستاں گل و صبح
ہیں رقیبانہ بہم دست و گریباں گل و صبح

دست و گریباں: ایک دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر جھگڑنا۔ پھول اور صبح دونوں خوب صورت ہوتے ہیں لیکن دونوں بتوں پر مرتے ہیں۔ ان کے عشق کا دعویٰ کرنے کے لئے باغ میں آئے ہیں اور وہاں رقیبوں کی طرح ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں۔ واضح ہو کہ پھول کا گریباں بھی چاک باندھا جاتا ہے اور صبح کا بھی۔ شعر میں ایک گل و صبح "حشو" ہے۔

ساقِ گل رنگ سے اور آئنۂ زانو سے
جامہ زیبوں کے سدا ہیں تہِ داماں گل و صبح

پنڈلی کا رنگ پھول جیسا ہے اور زانو آئینے کی طرح شفاف ہے اس لئے اس کی تشبیہہ صبح سے ہے۔ ان کی وجہ سے جامہ زیب حسینوں کے دامن کے نیچے گل اور صبح دونوں موجود رہتے ہیں۔

وصلِ آئینہ رخاں، ہم نفس یک دیگر
ہیں دعا ہائے سحر گاہ سے خواہاں گل و صبح

ہم نفس یک دیگر : ساتھ ساتھ ، برابر بیٹھ کر۔ پھول اور صبح دونوں پاس پاس بیٹھ کر صبح کے وقت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ کاہے کی ؟ آئینے جیسا شفاف چہرہ رکھنے والے حسینوں کے وصل کی۔ یہ غیر معمولی بات ہے کہ ایک ہی مقصد کے خواہاں یا ایک ہی شخص کے وصل کے طالب پاس پاس بیٹھ کر دعا مانگیں۔ آئینہ رُخ اور گل و صبح میں رعایت ہے۔

آئینہ خانہ ہے صحنِ چمنستان یک سر
لیک ہیں بے خود و وارفتہ و حیران گل و صبح

آئینے کی صفت حیرانی ہے۔ باغ میں گل اور صبح دونوں بے خود اور حیران ہیں اس لئے باغ کا صحن سراسر آئینہ خانہ بن گیا ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ باغ میں ایسے سفید و شفاف پھول کھلے ہیں کہ صحنِ چمن آئینہ خانہ بن گیا ہے۔ اس حسین منظر کو دیکھ کر خود پھول اور صبح دونوں وارفتہ و حیران ہیں۔

زندگانی نہیں بیش از نفسِ چند اسد
غفلت آرامیِ یاراں پہ ہیں خنداں گل و صبح

زندگی چند سانسوں سے زیادہ نہیں۔ جو لوگ غفلت میں آرام کر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ابھی بہت زندگی باقی ہے ان کی حالت پر پھول اور صبح دونوں ہنس رہے ہیں۔ کیونکہ یہ زندگی کی حقیقت جانتے ہیں۔ دونوں کی زندگی محض ایک پہر کی ہوتی ہے۔ پھول کے کھلنے کو ہنسی سے تعبیر کرتے ہیں اور صبح کے ہونے کو بھی خندہ کہا جاتا ہے۔

(۶۹)

بہ کامِ دل کریں ، کس طرح گمرہاں فریاد
ہوئی ہے لغزشِ پا لکنتِ زباں ، فریاد

جو لوگ گمراہ ہیں وہ مقصدِ دل بر لانے والی فریاد کس طرح کریں۔ ان کی گمراہی یعنی پاؤں کا غلط سمت کو بہک جانا ان کی زباں میں تالے ڈال رہا ہے یعنی وہ اس قسم کا نالہ نہیں کر سکتے جو کامیابی کی طرف بڑھنے والے کرتے ہیں۔ آخر میں فریاد ' اے وائے ' افسوس کے معنی میں ہے

کمالِ بندگیِ گل ہے رہنِ آزادی
زدستِ مشتِ پرِ خارِ آشیاں فریاد

یہ ذہن نشین رہے کہ پہلے مصرع میں یہ نہیں کہا کہ آزادی رہنِ بندگیِ گل ہے۔ اس کے

برعکس بندگیِ گل کے کمال کو رہنِ آزادی یعنی آزادی پر منحصر قرار دیا ہے۔ اگر بلبل آزاد ہوگی تو پھول کے پاس حسبِ خواہش جائے گی اور اس کی بندگی کا حق بجا لائے گی۔ بندگی کا یہ لازمی وصف یعنی آزادی کس وقت سلب ہوتی ہے ؟ یا تو جب وہ اُڑ رہی ہو یا پھر آشیاں میں بیٹھی ہو۔ انھیں دو حالتوں میں صیاد اسے پکڑتا ہے۔ پہلی صورت کے لئے مشتِ پر ذمے دار ہیں جو اسے اُڑا کر لے جاتے ہیں۔ دوسری صورت کیلئے آشیاں کے تنکے۔ بلبل ان دونوں کے ہاتھوں فریاد کرتی ہے۔ اب پرواز کے بیچ یا آشیاں کے اندر رہنے کے سوا تیر اسقام ہی کیا ہوسکتا ہے۔ خارِ آشیاں سے مُراد آشیاں کے تنکے ہیں۔

نوازشِ نفسِ آشنا کہاں ؟ ورنہ
برنگِ نَے ہے نہاں در ہر استخواں فریاد

جس طرح بانسری میں نالہ ہوتا ہے اسی طرح میری ہڈی میں فریاد چھپی ہے لیکن کوئی دوست کہاں جو مہربانی کرکے اسے پھونک دے اور اس میں سے آواز نکلے۔ یعنی کوئی غم خوار نہیں ملتا کس کے سامنے حالِ دل شرح کروں۔

تغافل آئنہ دارِ خموشیِ دل ہے
ہوئی ہے محو بہ تقریبِ امتحاں ' فریاد

محبوب کا تغافل ہماری خموشیِ دل کا آئینہ دار ہے یعنی اس کے تغافل میں ہمارے خاموش رہنے کی وجہ چھپی ہوئی ہے۔ وہ ہم سے تغافل برت رہا ہے ہم نے بھی فریاد ختم کر دی ہے اور اس کا امتحان لے رہے ہیں کہ دیکھیں کب تک ہم سے تغافل برتتا رہے گا اگر ہم نالے کرتے تو وہ ان کی وجہ سے توجہ کرنے پر مجبور ہوتا۔ ہمیں تو اس کے خلوصِ دل کو ٹٹولنا ہے اس لئے خاموش ہو کر اس کو پرکھ رہے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اس کا امتحان نہیں لے رہے بلکہ وہ ہمارا امتحان لے رہا ہے۔ اس صورت میں شعر کے معنی ہوں گے تغافلِ محبوب وجہِ خموشیِ عاشق ہے۔ وہ امتحان لے رہا ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ کریں دیکھیں کب تک ضبط و خامشی سے کام لیتا ہے۔ عاشق نے اس امتحان میں کامیاب ہونے کیلئے فریاد کو ختم کر دیا ہے۔

ہلاکِ بے خبری ، نغمۂ وجود و عدم
جہان و اہلِ جہاں سے جہاں جہاں فریاد

جہاں جہاں فریاد : بہت زیادہ فریاد۔ غالب نے ایک اور شعر میں دُنیا کی حقیقت کو تشبیہ

سے تشبیہ دی ہے۔

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

وجود اور عدم کی حقیقتیں نغمہ بن کر افشا ہیں لیکن اہلِ جہاں اپنی بے خبری اور ناواقفیت کے سبب ان کو نہیں سن سکتے۔ دنیا اور دنیا والوں سے لاکھ لاکھ فریاد

جوابِ سنگ دلی ہائے دشمناں ہمت
ز دستِ شیشہ دلی ہائے دوستاں فریاد

سنگ دلی: بے رحمی؛ شیشہ دلی: لغایت درجے کی نازک مزاجی اور ذکاوت الحس۔ دوستوں کی جفاؤں کو ہمت کے ساتھ برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن تنک مزاج دوست جو ذکی الحس اور نازک مزاجی دکھا کر آزردہ ہوتے ہیں ان کا کیا کیا جائے۔ میں ان سے پریشان ہوں۔

ہزار آفت و یک جانِ بے نوائے اسدؔ
خدا کے واسطے اے شاہِ بے کساں فریاد

بظاہر شاہِ بے کساں خدا ہی کو کہا ہے لیکن یہ عین ممکن ہے کہ غالبؔ کے دل میں اس لقب سے حضرت علی مراد ہوں۔ اے شاہِ بے کساں فریاد کہ اسدؔ کی ایک مفلس ذات کے لئے ہزار آفتیں ہیں۔

(۷۰)

تھی نگہ میری نہاں خانۂ دل کی نقاب
بے خطر جیتے ہیں اربابِ ریا میرے بعد

نقاب: نقب لگانے والی۔ اہلِ ریا کہتے کچھ ہیں۔ دل میں کچھ ہوتا ہے۔ میری نگاہ ان کے دل کے تہہ خانے میں در آسکتی تھی یعنی میں ان کے دلوں کے بھید جان لیتا تھا۔ میرے بعد وہ بے خوف ہو گئے ہیں۔

تھا میں گلدستۂ احباب کی بندش کی گیاہ
متفرق ہوئے میرے رفقا میرے بعد

گلدستے کو گھاس کے تنکے سے کس کر باندھا جاتا ہے۔ دوستوں کے اجتماع میں میرا بھی وہی مقام تھا۔ میرے جانے کے بعد سب بکھر گئے۔

* * * * * * * * * *

(۷۱)

بسکہ وہ پاکوبیاں در پردۂ وحشت ہیں یاد
ہے غلافِ دفچۂ خورشید ہر یک گرد باد

پاکوبی: رقص کرنا۔ دفچہ: دفلی۔ ہمیں یاد ہے کہ وحشت کی وجہ سے کیا کیا اچھل کود اور رقص کیا کرتے تھے۔ گرمیوں میں جب دھوپ کھلی ہو اور ریت کے بگولے اڑ رہے ہوں۔ ان میں بھلا آدمی باہر جانا پسند نہ کرے گا لیکن وحشت کی وجہ سے ہمیں یہ اتنا اچھا معلوم ہوتا تھا جیسے سورج ڈفلی ہو اور بگولا اس کا غلاف جو اتار کر الگ رکھ دیا گیا ہو۔ ڈفلی کے ساتھ رقص کا میل ہے۔ جب ایسا ہو تو اہلِ وحشت وحشیانہ رقص کیوں نہ کریں گے۔

طرفہ موزونی ہے صرفِ جنگ جوئی ہائے یار
ہے سرِ مصراعِ صافِ تیغ، خنجر مستزاد

جنگ جو یار کی تیاری میں عجب شاعرانہ موزونی ہے۔ اس کی تیغ کی صفائی مصرع کے سرے کی طرح ہے اور اس کا خنجر مستزاد کی طرح ہے۔ مستزاد ایک صنفِ شعر ہے جس میں ہر شعر یا مصرع کے بعد ایک ٹکڑا اور اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ مصرع تلوار ہوا تو خنجر اس سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے مستزاد ہوا۔ مستزاد کے ایک معنی مزید کے بھی ہیں اور یہاں یہ معنی بھی نکلتے ہیں۔ تیغ مصرع ہے اور اس پر خنجر مزید ہے۔ دوسرے مصرع میں "صاف" کا لفظ حشو ہے۔ اگر مصراع اضافت لگا دی جائے تو "صاف" بامعنی ہو جائے گا۔ "تیغ کے صاف مصرع کے سرے پر خنجر مستزاد کی طرح لگا ہوا ہے۔" اس قرأت میں قباحت یہ ہے کہ خنجر کو تلوار کے سرے پر نہیں لگایا جاتا۔ اس لئے صاف کا تعلق مصراع کے ساتھ نہیں بلکہ تیغ کے ساتھ ہی رکھنا ہوگا۔

ہاتھ آیا زخمِ تیغِ یار سا پہلو نشین
کیوں نہ ہووے آج کے دن بے کسی کی روح شاد

غزل کے عاشق کو ہر ایذا پسند ہوتی ہے۔ بے کسی کی شکل میں ایک ذہنی ایذا پہلے سے موجود تھی۔ اب ایک جسمانی ایذا زخمِ تیغِ یار کی شکل میں میسر آگئی۔ ہماری بے کسی کا جی کیوں نہ خوش ہو کہ اسے ایسا رفیق ملا۔ پہلو نشیں مصاحب کو کہتے ہیں۔ یہاں زخم تو صحیح معنی میں پہلو میں بیٹھتا ہے۔

کیجیے آہوئے ختن کو خضرِ صحرائے طلب
مشک ہے سنبلستانِ زلف میں گردِ سواد

آہوئے ختن سے مُشک پیدا ہوتی ہے۔ گردِ سواد: کسی شہر کے نواح کی گرد۔
محبوب کی زُلفیں سنبل کے باغ کی طرح ہیں۔ ان کی سیاہی مُشک مجسّم ہے۔ یہ مُشک
عاشق کی خواہش کے صحرا کے اطراف کا غُبار ہے۔ جس جنگل میں گرد کی جگہ مُشک ہو
اس میں راہبری کے لئے ختن کے ہرن سے بہتر رہنما کون مل سکتا ہے۔ اس لئے ہم
طلبِ محبوب کے دشت میں اسی کو خواجہ خضر سمجھیں گے۔ زُلفوں میں مُشک کا انداز
سیاہی اور خوشبو کی وجہ سے ہے۔ سواد کے معنی نواح کے علاوہ سیاہی کے بھی ہیں۔
اس طرح آہو، مُشک، سُنبلستان، زُلف اور سواد میں ایک تلازمہ ہو گیا۔

ہم نے سو زخمِ جگر پر بھی زباں پیدا نہ کی
گُل ہوا ہے ایک زخمِ سینہ پر خواہانِ داد

ہمارے جگر میں سینکڑوں زخم ہیں، لیکن ہم نے زبان کھول کر فریاد نہ کی۔
سرخ رنگ کا کھلا ہوا پھول، جو سینے کے زخم کی طرح کُشادہ ہے، محض ایک زخم
کی وجہ سے فریاد کر رہا ہے۔ چونکہ وہ زخم کی مسلسل نمائش کر رہا ہے، اس سے
اندازہ ہوا کہ وہ دادخواہ ہے

بسکہ ہیں در پردہ مصروفِ سیہ کاری تمام
آستر ہے خرقۂ زُہّاد کا، صوفِ مداد

سیہ کاری: گناہ کرنا۔ شاعر نے اس کے لفظی معنی کالے کام سے فائدہ اُٹھایا
ہے۔ زاہد پردے میں چھپ کر فسق و فجور میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے کالے کاموں
کی وجہ سے ان کی گدڑی کا استر دوات کے صوف کی طرح ہے۔ یعنی گو بظاہر وہ
سادہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن در اصل گناہ گار ہیں۔ چونکہ استر اندر کی طرف ہوتا
ہے اس لئے در پردہ کا تکلف دے گیا ہے۔ پہلے زمانے میں دوات میں کپڑا بھی
ڈالتے تھے جسے صوف کہتے تھے۔

تیغ در کف، کف بر لب آتا ہے قاتل اس طرف
مژدہ باد، اے آرزوئے مرگِ غالبؔ مژدہ باد

قاتل ہاتھ میں تلوار اور ہونٹوں پر جوش سے جھاگ لئے اِدھر آتا ہے۔ اے
غالب کی خواہشِ مرگ تجھے مژدہ ہو۔

(۷۲)

تو پستِ فطرت اور خیالِ بسا بلند
اے طفلِ خود معاملہ، قد سے عصا بلند

خود معاملہ: جو اپنے سارے کام بغیر کسی دوسرے کی مدد کے پورا کرنا چاہے۔
کسی بھی پست فطرت انسان سے خطاب ہو سکتا ہے۔ تو چھوٹی طبیعت کا آدمی ہے
اور اتنی بڑھ چڑھ کر باتیں سوچتا ہے۔ تیری مثال اس خود سر، بر خود غلط بچے
کی سی ہے جو اپنے قد سے بڑا عصا لے کر چلے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کو سنبھال نہ
پائے گا۔

ویرانیے، جز آمد و رفتِ نفس نہیں
ہے کوچہ ہائے نے میں، غبارِ صدا، بلند

ویرانیے: کوئی ویرانی۔ آمد و رفتِ نفس: سانس کا چلنا، کنایہ ہے زندگی
سے۔ دُنیا میں سانس کا جاری رہنا ہی سب سے بڑی ویرانی ہے۔ یعنی زندہ ہونا
خود ویرانی و تباہی کا باعث ہے۔ بانسری کے کوچے میں نے نواز کا سانس آتا
جاتا ہے جس سے آواز کا غبار بلند ہوتا ہے۔ غبار علامت ہے ویرانی کی۔ گویا
سانس خواہ انسان کی ناک میں ہو، خواہ بانسری کے کوچے میں، ہر جگہ ویرانی کا
باعث ہے۔ چونکہ صدا بھی غبار کی طرح اُٹھتی اور پھیلتی ہے، اس لئے اسے
غبار سے تشبیہ دی گئی۔

رکھتا ہے انتظارِ تماشائے حُسنِ دوست
مژگانِ باز ماندہ سے، دستِ دُعا بلند

محبوب کے حُسن کو دیکھنے کے انتظار میں رات کو آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔
کھلی ہوئی پلکیں دستِ دُعا کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ دُعا اس بات کی مانگی جا
رہی ہے کہ یار آ جائے۔ شعر کی نثر ہوگی۔ انتظارِ تماشائے حُسنِ دوست،
مژگانِ باز ماندہ سے ہمارے دستِ دُعا بلند رکھتا ہے۔

موقوف کیجیے یہ تکلف نگاریاں
ہوتا ہے ورنہ، شعلۂ رنگِ حنا بلند

یہ تکلّف کی آرائش بند کیجیے ورنہ عاشقوں کا بُرا حال ہوگا۔ آپ کا رنگِ حنا شعلہ بلند کرے گا جو ہمیں جلا ڈالے گا۔ یعنی آپ کی آرائش ہمارے لئے وبالِ جان ہے۔ نگاریاں سے مُراد حنا کے نقش و نگار ہیں۔

قربانِ اوج ریزیِ چشمِ حیا پرست
یک آسماں ہے، مرتبۂ پشتِ پا، بلند

محبُوب کی آنکھیں حیا کے سبب نیچے کو جُھکی رہتی ہیں اور اس کے پاؤں پر پڑتی رہتی ہیں۔ یہ آنکھیں جس پر پڑ جائیں، اس کا مرتبہ کتنا بلند کر دیتی ہیں، یہ اس سے ظاہر ہے کہ نگاہوں کی وجہ سے محبُوب کا کفِ پا مرتبے میں ایک آسمان بھر بلند ہو گیا ہے

ہے دِل بری، کمیں گرِ ایجادِ یک نگاہ
کارِ بہانہ جوئیِ چشمِ حیا بلند

شعر کے سادہ سے معنی تو یہ ہیں کہ محبُوب کی دِل بری ایک نِگاہ ایجاد کرنا چاہتی ہے لیکن شرمیلی آنکھ نظریں نیچی رکھتی ہے۔ یعنی طویل اور سامنے کی نِگاہ کو وجود میں نہیں آنے دیتی۔ حیا دار آنکھ کا بہانہ کر کے نِگاہ اُوپر نہ اُٹھانا سلامت رہے ——

آسی نے یہ معنی دئے ہیں لیکن شعر کے یہ اچھے معنی نہیں۔ ایک طرف تو لمبی نِگاہ کو دِلبری کہا اور دوسری طرف حیا دار جُھکی ہوئی نگاہوں کی خیر منائی۔ یہ تضاد ہے۔ شعر کے اصل معنی زیادہ لطیف ہیں۔

محبُوب کی آنکھ حیا کے سبب جُھکی رہتی ہے لیکن وہ کبھی کبھی اُوپر ہو کر کھنکیوں سے دیکھنا بھی چاہتی ہے اور یہ ادا بڑی دِل رُبا معلوم ہوتی ہے۔ گویا دِلبری ایک نِگاہ کے ایجاد کی تاک میں رہتی ہے کہ کوئی بہانہ کر کے اُوپر کو دیکھا جائے۔ کاش اس بہانہ جوئی کا کام خوب چلے اور حیا زدہ آنکھوں کو بار بار نگاہیں اُوپر اُٹھانے کا موقعہ مِلتا رہے۔

بالیدگی، نیازِ قدِ جاں فزا، اسدؔ
در ہر نفس بہ قدرِ نفس ہے قبا بلند

محبوب کا طویل قد دیکھنے سے ہماری جان بڑھتی ہے۔ نشوونما اور بالیدگی اس کے قد کی نیازمند ہے یعنی ہمیشہ اس کے قد کو بڑھانے کی فکر میں رہتی ہے چنانچہ ہر سانس یعنی ہر لمحے میں اس کا قد تھوڑا سا بڑھ جاتا ہے جس سے اس کی قبا اونچی ہو جاتی ہے۔ قبا کتنی اُونچی ہوتی ہے؟ بہ قدرِ نفس یعنی ایک تارِ نفس کی موٹائی کے برابر۔ یہ مقدار دراصل محبوب کے قد کے بڑھنے کی ہے۔

(۷۳)

حسرتِ دستگہ و پائے تحمّل تا چند
رگِ گردن، خطِ پیمانۂ بے مُل تا چند

دستگہ: مقدرت۔ تحمّل: اپنے اوپر رنج و مشقت روا رکھنا۔ رگِ گردن: غرور و نخوت: کب تک ہمیں مقدرت اور ساز و سامان کی حسرت رہے گی۔ کب تک ہم تحمّل (مصائب کو برداشت کرنا) کے پاؤں سے چلنے پر مجبور ہوں گے۔ بغیر شراب کا پیمانہ کنایہ ہے افلاس سے۔ افلاس پر ہم کب تک غرور کرتے رہیں۔

ہے گلیمِ سیہ بختِ پریشاں، کاکل
موئینہ بافتنِ ریشۂ سنبل تا چند

موئینہ بافتن: پشمینہ بننا۔ کالا کمبل غریبی کی نشانی ہے اور پشمینہ امیری کی۔ سنبل کا ریشہ بھی زلفوں کی طرح سیاہ ہوتا ہے۔ کالے بالوں سے کمبل بھی بُنا جاتا ہے اور پشمینہ بھی۔ یار کی زلف ہماری بدنصیبی اور سیہ بختی کا کمبل ہے۔ ہم اسے سنبل کے ریشوں سے بنا ہوا پشمینہ کب تک سمجھتے رہیں یعنی زلفِ محبوب ہماری پریشانی کا باعث ہے ہم اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ کامرانی کی کوئی اُمید نہیں۔

آسی نے ایک اور معنی دئے ہیں۔ سنبل کی کاکل بدبختی کا کالا کمبل ہے۔ سنبل کب تک اسے پشمینہ بنا کر دکھاتا رہے گا۔ گویا یہ شعر ریشۂ سنبل کے بارے میں ہے۔

کوکبِ بخت، بجز روزنِ پُر دود نہیں
عینکِ چشمِ جنوں، حلقۂ کاکل تا چند

ہماری قسمت کا تارا ایسا ہے جیسے کالے دھوئیں سے بھرا ہوا کوئی سوراخ ہو یعنی قسمت تاریک ہے۔ سوراخ میں دھواں ایک خم دار لکیر کی طرح ہوتا ہے یعنی زلف سے کسی قدر مشابہت

ہے۔ ہم جنوں میں محبوب کے حلقۂ زلف کو دیکھتے ہیں اور یہاں تک دیکھتے ہیں کہ انہیں چشم جنوں کی عینک بنا لیا ہے۔ ایسا کب تک کرتے رہیں؛ یہ خمِ زلف ہمیں چھونے کو تو ملنے والا نہیں۔ قسمت میں تو محض دھوئیں کی موج ہے پھر حسینوں کی زلفوں کو گھورتے رہنے سے فائدہ

چشم، بے خونِ دل و دل، تہی از جوشِ نگاہ
بہ زباں عرضِ فسونِ ہوسِ گل تا چند

جیسے کوئی شخص شباب کی منزل سے گزر چکا ہو دل اور نگاہ بے جوش ہو چکے ہوں اس کے باوجود اشعار میں حسن پرستی کا اظہار کرے تو یہ نامناسب ہے۔ کہتے ہیں آنکھ میں دل کا خون آنسو بن کر نہیں آرہا۔ دل میں حسن کی طرف نگاہیں دوڑانے کا جوش نہیں اور منہ سے یہ کہتے رہیں کہ ہمیں حسینوں کی بڑی ہوس ہے تو یہ ڈھونگ کب تک جاری رکھیں۔ سندیلوی نے اس شعر کو کسی غیر سے مخاطب مانا ہے۔ میری رائے میں اپنے لئے ہی ہے کیونکہ پوری غزل میں بے زاری کی فضا ہے

بزم، داغِ طرب و باغ، کشادِ پرِ رنگ
شمع و گل تا کے و پروانہ و بلبل تا چند

شاعر کی عبرت میں نگاہ ہر چیز کے انجام کو دیکھتی ہے۔ اس وقت بزم میں طرب ہے۔ آخر میں محض ایک داغِ طرب رہ جائے گا یعنی ایک خواہش و حسرت کہ کاش کچھ خوشیاں منائی جاسکیں۔ باغ میں اس وقت رنگ ہے لیکن آخرش یہ اُڑ جائے گا گویا چشم بینا کو بھری بزم بھی داغِ طرب ہے اور پھولتا باغ رنگ کا پر لگا کر اُڑتا ہے۔ شمع اور گل کب تک رہیں گے اور ان کے عاشق پروانہ اور بلبل کب تک رہیں گے یعنی آخر کار سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ یہ بزم و باغ سب بے اصل ہیں ــــ

نالہ دامِ ہوس و دردِ اسیری معلوم
شرحِ برخود غلطی ہائے تحمل تا چند

عاشق (یا رقیب) جو نالے کر رہا ہے وہ ہوس کی وجہ سے ہیں۔ ہوس، محبوب کو پھانسنے کیلئے نالے کی شکل میں جال پھیلا رہی ہے ورنہ حقیقت میں اسیری عشق کی اذیت مفقود ہے اور یہ نالے کا باعث ہو ہی نہیں سکتی۔ تحمّل: تکالیف برداشت کرنا۔ برخود غلطی ہا: اپنے بارے میں بہت سی خوش فہمیاں ہونا۔ اب عاشق (یا رقیب) کو اپنے بارے میں یہ غلط فہمی ہو کر وہ اسیر ہو کر بہت سی تکالیف اُٹھا رہا ہے اور اس غلط فہمی کی تفصیل کیلئے نالہ کرے

تو یہ کب تک مفید ہوگا۔

جوہرِ آئینۂ فکرِ سخن، موئے دماغ
عرضِ حسرت، پسِ زانوئے تأمل تا چند

نسخۂ عرشی میں پہلے مصرع کی قرأت ہے جوہرِ آئینۂ فکرِ سخن موئے دماغ۔ دی ہے جو میرے نزدیک صحیح نہیں۔ میری مجوزہ قرأت میں معانی زیادہ آسانی سے نکل آتے ہیں۔ موئے دماغ مخلِ صحبت اور نامرغوب شخص کو کہتے ہیں یا پھر کسی بھی مکروہ و نامرغوب شئے کو کہیں گے جوہرِ آئینہ فولادی آئینے میں دھاری کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اس لئے بال سے مشابہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فکرِ سخن کے آئینے کا جوہر بڑا ناگوار ہے یعنی دیر تک شعر کیلئے فکر کرتے رہنا ہمیں بڑا بارِ خاطر ہوتا ہے۔ ہمارے شعر کا مضمون صرف حسرت ہی تو ہے۔ حسرت کے اظہار کیلئے فکر و تأمل کے زانو کے پیچھے کیوں بیٹھا جائے۔ فکرِ شعر سوچ کر حسرت کی باتیں کرنے کے مترادف ہے کیوں نہ اس سوچ کی اذیت کو چھوڑ کر برجستہ عرضِ حسرت کر دیا جائے۔

چونکہ زانو پر سر رکھ کر آدمی غور و فکر میں کھو جاتا ہے اس لئے زانوئے تأمل کی ترکیب لائے۔

سادگی ہے عدمِ قدرت و ایجادِ غنا
ناکسی، آئینۂ نازِ توکل تا چند

نسخۂ عرشی میں قدرت کے بعد بھی اضافت ہے جس سے معنی کسی قدر اُلجھ جاتے ہیں۔ خود نوشت دیوان میں قدرت کے بعد واوِ عطف ہے جس سے معنی بہت صاف ہو جاتے ہیں۔

غنا: استغنا، بے نیازی۔ ناکسی: نا اہلی۔ کسی شخص کو کاروبارِ دنیا میں کامیابی کی قدرت نہیں ہوتی تو وہ استغنا کی ایجاد کر بیٹھتا ہے کہ ہمیں تو کچھ چاہیئے ہی نہیں۔ یہ سب حماقت ہے۔ انسان کی نا اہلی کب تک ناز کے ساتھ توکل کا روپ دھار کر ظاہر ہوا کرے گی۔ آئینۂ نازِ توکّل: توکّل کے ناز کو دکھانے والی۔ یہ ظاہر کرنا کہ ہم توکّل سے کام لیتے ہیں دراصل ایک دھوکا ہے جو نا اہلی دوسروں کو دینا چاہتی ہے۔

اسدِ خستہ، گرفتارِ دو عالم اوہام
مشکل آساں کُن یک خلق، تغافل تا چند

اسدِ مجروح دُنیا بھر کے شکوک اور وسوسوں میں گرفتار ہے۔ اے خلق کی مشکل آسان کرنے والے خُدا اس سے کب تک تغافل کرے گا۔ اس کی طرف توجہ کر اور اس کے عقیدے سے

ادہام دور کر کے اسے طمانیت کی دولت عطا کر۔

(۷۴)

لیکہ مائل ہے وہ اشکِ ماہتاب آئینے پر
ہے نفس تارِ شعاعِ آفتاب آئینے پر

محبوب رشکِ ماہ ہے وہ آئینے کو دیکھ رہا ہے اس کے سانس کا تار جو آئینے پر پڑ رہا ہے سورج کی کرن کا تار معلوم ہوتا ہے۔

بازگشت جادہ پیمائے رہ حیرت کہاں
غافلاں غش جان کر چھڑکے ہیں آب آئینے پر

آب بر آئینہ ریختن: ایران میں رسم ہے کہ کوئی آدمی سفر کو جاتا ہے تو اس کے پیچھے آئینے پر پتے رکھ کر ان پر پانی چھڑکتے ہیں اور یہ شگون ہے اس بات کا کہ وہ خیریت اور سلامت سے واپس آئے۔ ممکن ہے غشی میں بھی یہ رسم عمل میں لائی جاتی ہو۔

جو محبوبِ حقیقی کے جلووں کو دیکھ کر حیرت میں کھو گئے ہیں اور سکتے کے عالم میں ہیں وہ راہِ حیرت سے واپس لوٹنے والے نہیں۔ بیوقوف لوگ انہیں غش جان کر آئینے پر پانی چھڑک رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ یہ کشتگانِ حیرت ہوش میں واپس آنے والے نہیں۔

بدگمان کرتی ہے عاشق کو خود آرائی تری
بیدلوں کو ہے براتِ اضطراب آئینے پر

برات: حصہ۔ عاشق کو تیری خود آرائی سے بدگمانی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں تو کس کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے اس لئے عاشقوں کو آئینے سے اضطراب کا حصہ ملتا ہے یعنی آئینے کی وجہ سے تڑپتے ہیں۔

مدعی میری صفائے دل سے ہوتا ہے خجل
ہے تماشا زشت رویوں کا عتاب آئینے پر

رقیب میرے دل کی صفائی دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے کیونکہ اسے مقابلے میں اپنے دل کی تاریکی کا اندازہ ہوتا ہے۔ احساسِ کمتری کی وجہ سے وہ مجھ پر جھنجھلاتا ہے۔ عجب تماشا ہے کہ بدصورت آدمی آئینے میں اپنی بدصورتی دیکھ کر آئینے پر غصہ کرتا ہے۔

نازِ خود بینی کے باعث مجرمِ صد بے گناہ
جوہرِ شمشیر کو ہے پیچ تاب آئینے پر

محبوب آئینے میں خود کو دیکھتا ہے اور ناز کرتا ہے۔ خود بینی میں مست ہو کر شمشیر سے بے گناہ عشاق کو قتل کرتا ہے۔ اس طرح تلوار اور تلوار کا جوہر سو بے گناہوں کے مجرم ہیں۔ اس جفا کی ذمہ داری آئینے پر ہے اس لئے جوہرِ شمشیر آئینے پر طیش کھا رہا ہے۔

شعر کے ایک اور معنی ہیں۔ محبوب نے خود بینی سے ناز کیا جس سے سو بے گناہ مارے گئے ان کے قتل کی ذمہ داری آئینے پر ہے۔ جوہرِ شمشیر کو آئینے (بلکہ جوہرِ آئینہ) پر طیش ہے کہ وہ تلوار سے بھی زیادہ قاتل کیوں ثابت ہوا۔ آئینے نے تلوار کا کام اپنے ذمے کیوں لے لیا۔ پہلی تشریح بہتر ہے۔

سدِ اسکندر ہے بہرِ نگاہِ گل رخاں
گر کرے یوں امرِ نہیِ بوتراب آئینے پر

امر وہ کام ہیں جن کی شرعاً اجازت ہے اور نہی وہ جن کیلئے ممانعت کی گئی ہے۔ اگر حضرت علی کی مخالفت یہ حکم کرے کہ کوئی آئینے کو نہ دیکھے تو آئینہ حسینوں کی نگاہ کیلئے سدِ سکندر بن جائے گا۔ سدِ سکندر وہ دیوار ہے جو سکندر ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو روکنے کیلئے بنائی تھی۔ چونکہ آئینے کے موجد کا نام بھی سکندر ہے اس لئے آئینہ اور سدِ سکندر میں رعایت ہے۔

دل کو توڑا جوشِ بے تابی سے غالب کیا کیا؟
رکھ دیا پہلو بہ وقتِ اضطراب آئینے پر؟

غالب، تڑپ کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے یہ کیا کیا؟ کیا اضطراب کے جوش میں پہلو کو آئینے پر رکھ دیا تھا اور وہ جسم کے بوجھ سے ٹوٹ کر پہلو اور دل میں چبھ گیا۔

(۷۵)

دلِ خونیں جگر بے صبر و فیضِ عشق مستغنی
الٰہی یک قیامت خاور آ ٹوٹے بدخشاں پر

دلِ خونیں جگر: مجروح دل۔ خاور: مشرق، خاوراں: خراسان کا ایک علاقہ۔ اسے بھی خاور کہہ دیتے ہیں۔ بدخشاں: خراسان اور ایران کے بیچ ایک علاقہ۔ یاد رہے کہ خراسان اور بدخشاں دونوں کے لعل مشہور ہیں۔ یک قیامت خاور میں یک قیامت مقداری فقرہ ہے یعنی

بہت سا خاور۔ شعر کے معنی یہ ہیں۔ میرا زخمی دل بے صبر ہے اور چاہتا ہے کہ اس میں سے خون جاری رہے لیکن فیضِ عشق ادھر توجہ نہیں کرتا اور قطراتِ خون نہیں نکلتے۔ قطراتِ خون لعل کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر خون نہیں نکلتا تو کیں سے دل میں لعل ہی آجاتے۔ بدخشاں نے بخل کیا کہ میرے دل کو لعل عطا نہیں کئے۔ اس کا برا ہو۔ کاش اس پر قیامت کا مشرق یعنی قیامت کا سورج ٹوٹ پڑے۔ قیامت کے دن سورج زمین کے بالکل پاس آجائے گا۔ خور کی جگہ خاور کہنا غالب کی جدت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خاور کو بھی لعلوں کی کان قرار دیا ہو۔ جب خراسان کے لعل مشہور ہیں تو خاوراں اور خاور کے لعل بھی مشہور ہونے چاہئیں۔ کاش خاور قیامت بن کر بدخشاں پر ٹوٹ پڑے تاکہ دونوں بخیلوں کو سزا ملے۔

زیادہ امکان یہ ہے کہ خاور کے معنی منبعِ لعل نہیں بلکہ مشرق لئے گئے ہیں۔ قیامت کا مشرق سے مُراد قیامت کا سورج ہے۔

(۷۶)

خطِ نوخیز، نیلِ چشم زخمِ صافیِ عارض
لیا آئینے نے حرزِ پرِ طوطی بہ چنگِ آخر

نیلِ چشم زخم: سیاہی کا وہ نشان جو بچوں کے چہرے پر لگا دیتے ہیں تاکہ کسی کی نظر بد نہ لگے۔ محبوب کے چہرے پر نیا نیا خط جو آیا ہے یہ گالوں کی صفائی کیلئے نظر کا ٹیکا ہے جب محبوب نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا تو آئینے کو اندیشہ ہوا کہ وہ اس چہرے پر دیوانہ نہ ہو جائے اس لئے اس نے اپنے پنجے میں پرِ طوطی کا تعویذ لے لیا۔ فولادی آئینے میں برسات میں ہرے رنگ کا میل جم جاتا ہے۔ اس زنگار کو طوطی یا پرِ طوطی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ تعویذ ہاتھ میں باندھا جاتا ہے۔ یہاں پنجے میں دے دیا گیا ہے۔ آئینے کا تلازمہ عارضِ صاف سے ہے اور پرِ طوطی یا جوہر کا خطِ نوخیز سے۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ آئینے سے مُراد عارض اور پرِ طوطی سے خط ہی ہو۔ تب شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ خطِ نوخیز گالوں کیلئے نیلِ چشم زخم ہے یا یہ کہ آئینۂ عارض نے حاسدوں کی نظر سے بچنے کیلئے پرِ طوطی سے بنا ہوا تعویذ ہاتھ میں لے رکھا ہے

ہلال آسا تہی رہ، گر کشادن ہائے دل چاہے
ہوا مہ کثرتِ سرمایہ اندوزی سے تنگ آخر

دل کا کشادہ ہونا خوشی کی علامت ہے اور دل کا تنگ ہونا ملال کی۔ ہلال کا پیٹ اتنا بہت کھلا رہتا ہے یعنی اس کا دل کشادہ ہے اور وہ خوش ہے۔ پورا چاند بالکل بھرپور ہوتا ہے گویا اس کا دل بند اور تنگ ہے اور وہ ملول ہے۔ اب شعر کے معنی یہ ہوئے کہ ہلال کی طرح خالی اور بے نور رہ اگر دل کو شگفتہ رکھنا چاہے۔ بدر نے بہت سا سرمایہ جمع کیا اور اس کی وجہ سے تنگ و ملول ہوا۔

تڑپ کر مر گیا وہ صیدِ بال افشاں کہ مضطر تھا
ہوا ناسورِ چشمِ تعزیت، زخمِ خدنگ آخر

بال افشاں: پر جھاڑتا یا پھڑ پھڑاتا ہوا۔ دوسرے مصرع کی نثر ہے زخمِ خدنگ آخر ناسورِ چشمِ تعزیت ہوا۔ پرندے کے تیر لگا۔ وہ پروں کو پھڑ پھڑا کر مر گیا۔ اس کا زخمِ تیر تعزیت کرنے والی آنکھ کا ناسور بن گیا ہے یعنی تعزیت کرنے والی آنکھ سے مسلسل پانی بہا کیا یہاں تک کہ وہ ناسور ہو گئی۔ گویا زخمِ تیر روپ بدل کر ناسورِ عزادار کی شکل میں موجود ہے

نکھی یاروں کی بدمستی نے مے خانے کی پامالی
ہوئی قطرہ فشانی ہائے مے باران سنگ آخر

قطرہ فشاں: قطرہ زن تیز چلنے والا جس کے چلنے سے پسینے کی بوندیں ٹپکتی جائیں۔ قطرہ فشانی ہائے مے کے معنی ہوئے شراب کو تیزی سے بہانا۔ رندوں کی بدمستی نے مے خانے کو برباد کر دیا۔ اُنہوں نے شراب کے اللے تللے کئے۔ شراب کی بوندوں کو بکھیرنا پتھر کی بارش ثابت ہوا جس سے مے خانے کی عمارت شکست و ریخت ہو گئی۔

اسدؔ پیری میں بھی آہنگِ شوقِ یار قائم ہے
نہیں ہے نغمے سے خالی خمیدن ہائے چنگ آخر

آہنگ: راگ، ارادہ۔ چنگ: ایک تاروں والا باجا جس کا سرا خمیدہ ہوتا ہے۔ اسدؔ بڑھاپے میں بھی محبوب کے شوق کا قصد موجود ہے۔ چنگ خم بھی ہو جائے تو نغمہ کرتا رہتا ہے۔ ضعیفی میں جسم خمیدہ اور منحنی ہوا تو وہ بھی نغمۂ شوق سے خالی نہ ہو گا۔

(۷۷)

بنیش بہ سعیِ ضبطِ جنوں، نوبہار تر
دل در گدازِ نالہ، نگاہ آبیار تر

بنیش اور نگاہ سے مُراد فہم یا حقیقت نگر نگاہ ہے۔ ضبطِ جنوں اور ضبطِ نالہ کرنے سے آدمی زیادہ ہوش مند ہو جاتا ہے۔ اگر دل میں نالوں کو ضبط کر لیا جاتا ہے تو ان کی حدت سے دل پگھل جاتا ہے رقیق ہو جاتا ہے۔ یہ پانی نگاہ کی آبیاری کرتا ہے۔ دل کا گداز نگاہ کو ژرف بیں اور حقیقت نگر بنا دیتا ہے۔

قاتل بہ عزمِ ناز و دل از زخم در گداز
شمشیر آب دار و نگاہ آب دار تر

قاتل ناز فرمائی کا ارادہ کر رہا ہے یعنی تلوار چلائے گا اور دل زخم کے اندیشے سے پگھلا جا رہا ہے۔ قاتل کی تلوار آب دار اور نگاہ ناز تلوار سے بھی زیادہ آب دار ہے۔

ہے کسوتِ عروجِ تغافل، کمالِ حُسن
چشمِ سیہ، بہ مرگِ نگہہ، سوگوار تر

حُسن اگر تغافل میں عروج دکھاتا ہے تو اس تغافل کی ہیئتِ ظاہری افزائشِ حُسن کا موجب ہوتی ہے۔ زیادہ تغافل کرنے سے یار نے نگہہ ڈالنی یہاں تک بند کر دی ہے کہ نگہہ مر گئی ہے سیہ آنکھ نگاہ کی موت پر اور زیادہ سوگوار ہوتی ہے۔ سوگواری میں کالا لباس پہنا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ نگاہ اور سیاہ ہو گئی ہے اور اس طرح حُسن کمال کے درجے تک پہنچ گیا ہے یعنی تغافل کا عروج حُسن کا عروج ثابت ہوا۔

سعیِ خرام، کاوشِ ایجادِ جلوہ ہے
جوشِ چکیدنِ عرق، آئینہ کار تر

محبوب کی ٹہلنے کی خواہش دراصل جلوہ دکھانے کی کوشش ہے۔ چلنے سے پسینہ آئے گا حسین چہرے پر پسینہ کی بوندیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور زیادہ توجہ منعطف کرتی ہیں۔ اس لیے نمائشِ حُسن کیلئے اور زیادہ آئینہ داری کرتی ہیں۔

ہر گرد باد، حلقۂ فتراکِ بے خودی
مجنونِ دشتِ عشق، تحیر شکار تر

عشق میں تحیر یعنی حیرت بھی ہوتی ہے اور حیرت کی وجہ سے بے خودی و خود فراموشی ہوتی ہے۔ صحرائے عشق میں جو بگولہ ہے وہ فتراکِ بے خودی کا حلقہ ہے یعنی وہ نمودار ہو کر مجنوں کو بے خودی میں پھانس لے گا اور مجنوں اور زیادہ شکارِ حیرت ہو جائے گا۔ یعنی

جتنی زیادہ صحرائے عشق کی سیر کی جائے گی اتنی ہی زیادہ بے خودی اور حیرت ہوگی۔

اے چرخ، خاک بر سرِ تعمیرِ کائنات
لیکن بنائے عہدِ وفا استوار تر

خاک بر سر ہونا تباہی و بربادی کی نشانی ہے۔ اے آسمان کائنات بالکل منہدم ہو جائے تو کوئی غم نہیں لیکن وعدۂ وفا کی بنیاد کو کوئی صدمہ نہ پہنچے وہ اور زیادہ مضبوط ہو جائے۔ یہاں عہدِ وفا سے مراد وہ عہد ہے جو عاشق نے محبوب سے کیا ہے۔ غالب نے دوسرے شعروں میں بھی عہدِ وفا کا ذکر کیا ہے جس سے غالباً وہ کوئی وعدہ مراد ہے جو انسان نے خالق کے ساتھ کیا ہے

آئینہ داغِ حیرت و حیرت شکنجِ یاس
سیماب بے قرار و اسدؔ بے قرار تر

شکنج: شکن، آواز۔ آئینہ حیرت سے بھرا ہوا داغ ہے اور حیرت یاس کی شکن پیشانی ہے یعنی آئینہ حیرت سے بھرا ہے اور حیرت یاس کی پیداوار ہے۔ سیماب بے قرار ہوتا ہے لیکن اسدؔ اس سے بھی زیادہ بے قرار ہے۔ کس طرح؟ سیماب سے قلعی ہو کر آئینہ بنا جو حیران ہے۔ اسدؔ کا سرمایہ یاس ہے۔ حیران آدمی کے مقابلے میں مایوس آدمی زیادہ بے قرار ہوگا

ذیل کا شعر نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ عرشی میں نہیں لیکن نسخۂ شیرانی میں ہے۔

سمجھا ہوا ہوں عشق میں نقصان کو فائدہ
جتنا کہ نا اُمید تر اُمیدوار تر

عشق کی شان نقصان، تکلیف، زخم و یاس میں ہے۔ عاشق جتنا خستہ حال ہوگا اتنا ہی وہ کامیاب اور عظیم عاشق مانا جائے گا اور اس طرح محبوب کی جناب سے اس کی قدر دانی کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ میں عشق کی منزل میں جتنا نا اُمید ہوں اتنا ہی کام یاب عاشق سمجھا جاؤں گا۔ اس لئے نا اُمیدی مجھے اُمیدوار اور کامراں کئے ہوئے ہے۔

(۷۸)

دیا یاروں نے بے ہوشی میں درماں کا فریب آخر
ہوا سکتے سے میں آئینہ دوستِ طبیب آخر

میں حُسنِ یار کو دیکھ کر سکتے میں آ گیا ہوں اور بے ہوش پڑا ہوں۔ یاروں نے مجھے بے ہوش دیکھ کر یہ کہنا شروع کیا ہے کہ اب یہ ٹھیک ہو گیا اسے بے قراری نہیں چین سے آرام کر رہا

ہے۔ گویا میری بے ہوشی کو علاج ظاہر کر رہے ہیں۔ سکتے میں طبیب مریض کو آئینہ دکھاتا ہے تاکہ وہ زندہ ہوگا تو سانس کا عکس آجائے گا۔ مرگیا ہوگا تو نقش نہیں آئے گا۔ سکتے میں آدمی حرکت نہیں کرتا جیسے کہ حیران ہو۔ آئینہ بھی حیران ہوتا ہے۔ سکتے کی وجہ سے میں طبیب کے ہاتھ میں آئینے کی طرح ہوگیا ہوں یعنی چارہ گر مجھے مسلسل دیکھے جا رہا ہے کہ میری حالت میں کچھ بہتری کے آثار ہیں کہ نہیں۔

رگِ گل جادۂ تارِ نگہ سے حد موافق ہے
ملیں گے منزلِ الفت میں ہم اور عندلیب آخر

رگِ گل میرے تارِ نگہ کے راستے سے بہت مشابہ ہے۔ میں تارِ نگہ کے راستے پر چل رہا ہوں اور بلبل رگِ گل کے راستے پر۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آخر میں منزلِ الفت پر ہم دونوں کی ملاقات ہوگی۔

غرورِ ضبط، وقتِ نزع ٹوٹا بے قراری سے
نیازِ پرفشانی ہوگیا صبر و شکیب آخر

پرفشانی: ترکِ علائق کرنا۔ میں ساری عمر ضبط کرتا رہا اور اس پر مغرور تھا لیکن نزع کے وقت بے چینی کی وجہ سے ضبط ٹوٹ گیا۔ دُنیا سے ناتہ توڑنے میں صبر کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا۔

اسدؔ کی طرح میری بھی، بغیر از صبحِ رخساراں
ہوئی شامِ جوانی، اے دلِ حسرت نصیب آخر

اے میرے حسرت نصیب دل، اسدؔ کی طرح میری جوانی کی شام بھی حسینوں کے رخساروں کی صبح کے بغیر تمام ہوگئی یعنی اسدؔ اور میں حسینوں کے رخساروں سے نہ کھیل سکے اور جوانی گذر گئی۔

(۷۹)

فسونِ یک دلی ہے لذتِ بیداد دشمن پر
کہ وجدِ برق، جوں پروانہ بال افشاں ہے خرمن پر

فسونِ یکدلی: وہ منتر جو دو شخصوں کے دلوں کو ملا دے۔ شعر کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) محبوب مجھے لذتِ جفا دے رہا ہے۔ برق میرے خرمن پر اس طرح وجد کر رہی ہے۔ جیسے کوئی پروانہ اُڑ رہا ہو۔ میرا حالِ زار دیکھ کر رقیب کا دل بھی پگھل گیا ہے اور وہ میرا مونس ہوگیا ہے۔ (۲) محبوب مجھ پر اور رقیب پر دونوں پہ بیداد کر رہا ہے۔ ہم دونوں کے خرمن

پر برق وجد کر رہی ہے۔ اس بیداد نے مجھے اپنا مخصوص عاشق سمجھ کر مجھے ظلم و ستم کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ یار کی اور میری یک دلی کا افسوں رقیب کیلئے باعثِ بیداد بن گیا ہے۔ اسے حسد ہے کہ یار اس پر ظلم کیوں نہیں کرتا۔ اس کی طرف محض تغافل کیوں ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ برق محض خرمن پر گرتی ہے ادھر اُدھر نہیں۔ یار کی توجہ (جو جفا و بلا کے سوا کچھ اور نہیں) میری طرف ہی ہوگی۔ رقیب جیسے ایرے غیروں کی طرف نہیں۔

پہلے معنی کو ترجیح دی جائے گی۔ میری لذتِ بیداد دشمن پر فسونِ یکدلی کا کام کر رہی ہے دوسرا مصرع بیداد کی تشریح ہے۔

تکلف خار خارِ التماسِ بے قراری ہے
کہ رشتہ باندھتا ہے پیرہن انگشتِ سوزن پر

خار خار: خواہش کرنا۔ انگشت پر رشتہ باندھنا (رشتہ بر انگشت پیچیدن) کوئی بات یاد رکھنے کیلئے انگلی پر دھاگا لپیٹ لینا۔ ذوقؔ نے کہا تھا ؏

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر

غالبؔ اپنے مخصوص رنگ میں کہتے ہیں کہ تکلف بے قراری کو دعوت دینے کے مترادف ہے مثلاً کپڑے پہننا تکلف ہے عریانی بے تکلفی۔ کرتا سینے کیلئے بار بار سوئی پر دھاگا لپٹتا ہے گویا کرتا سوئی کی اُنگلی پر دھاگا باندھتا ہے۔ سوئی کا چبھنا بے قراری پیدا کرتا ہے۔ پیرہن سوئی کی اُنگلی پر دھاگا لپیٹ کر اسے یاد دلاتا ہے کہ میرے بدن میں بار بار چبھ اور یہ گویا بے قراری کو بلاوا دینا ہے اس طرح کُرتا بے قراری کا خزینہ ہوا۔ یہ خود بے قرار ہے اور پہننے والے کو بھی بے قراری میں سے حصہ دے گا۔ یہ تکلف کی نشانی بھی ہے اس لئے تکلف بے قراری کی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔

یہ کیا وحشت ہے؟ اے دیوانے پیش از مرگ واویلا
رکھی بے جا بنائے خانۂ زنجیر شیون پر

زنجیر کھڑکتی ہے یعنی شیون کرتی ہے۔ اس کی بنیاد شیون پر رکھی گئی ہے۔ شیون کسی کے مرنے پر کیا جاتا ہے۔ دیوانے کو زنجیر میں باندھا جاتا ہے تو یہ مرنے سے پہلے ہی نالہ و فریاد ہوا۔ یہ وحشت ہے۔

—— ۸۰ ——

شیشہ آتشیں رُخ پر نور   عرق از خط پکیدہ روغن عود

روغنِ مور: لفظی معنی چیونٹیوں کا تیل۔ یہ واضح نہیں کہ اس سے کون سا مخصوص تیل مُراد ہے۔ سرخوش نے لکھا ہے کہ روغنِ مور دواؤں کے کام آتا ہے۔ چہرے پر نیا نیا سبزۂ خط نکلتا ہے تو اسے مور یا مورچہ یعنی چیونٹیوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ محبوب کے چہرے پر خط آیا ہوا ہے اور پسینہ آ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نورانی چہرہ سُرخ رنگ کی بوتل ہے اور خط کے بیچ میں سے نکلتا ہوا پسینہ روغنِ مور۔

لبکہ ہوں بعدِ مرگ بھی نگراں
مردمک سے ہے خال برلبِ گور

میں مرنے کے بعد بھی محبوب کے انتظار میں آنکھ لگائے ہوں۔ میری پُتلی لبِ گور پر تِل کی طرح بن گئی ہے کیونکہ یہ قبر کے مُنہ میں سے انتظارِ یار میں نگراں ہے۔

بار لائی ہے دانہ ہائے سرشک
مژہ ہے ریشۂ رزِ انگور

میری پلک انگور کی بیل ہے اس پر آنسوؤں کے دانے کا پھل آیا ہے۔ پلک کی مشابہت بیل کے ریشے سے اور آنسوؤں کی دانۂ انگور سے ہے۔

ظلم کرنا گدائے عاشق پر نہیں شاہانِ حُسن کا دستور

اے میرے محبوب! حُسن کے بادشاہوں کا دستور نہیں کہ عاشق بھکاری پر ظلم کریں۔

دوستو مجھ ستم رسیدہ سے دشمنی ہے وصال کا مذکور

چونکہ مجھے وصال کی کوئی اُمید نہیں اس لئے میرے سامنے اس کا ذکر کرنا میرے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ دوستو تم میرے سامنے لذتِ وصل کا ذکر مت کرو۔ یہ میرے ساتھ دشمنی ہے

زندگانی پہ اعتماد غلط ہے کہاں قیصر اور کہاں فغفور

قیصر، روم کے شہنشاہ اور فغفور، چین کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ جب انھیں کا پتہ نہیں تو زندگی پر بھروسہ غلط ہے۔

کیجیے، جوں اشک اور قطرہ زنی
اے اسدؔ ہے ہنوز دِلّی دور

قطرہ زنی: تیز دوڑنا۔ اے اسدؔ ابھی آنسو کی طرح اور بھاگ دوڑ کر ابھی دِلّی دور ہے یعنی مقصود حاصل کرنا ہے تو ابھی اور جدوجہد کر، بلاؤں کا سامنا کر، آنسو بہا۔

— ق —
— ۸۱ —

بیگانۂ وفا ہے ہوائے چمن ہنوز
وہ سبزہ سنگ پر نہ اگا کوہکن ہنوز

اُگا ماضی مطلق کا صیغہ ہے، امر نہیں۔ سبزہ سے مراد وفا ہے۔ کوہکن نے پتھر تراش کر یہ توقع کی تھی کہ محبوبہ وفا کر کے اس سے آملے گی۔ شاعر کہتا ہے کہ اس باغِ دنیا کی ہوا ابھی وفا کیلئے راس نہیں۔ یہ سبزہ (وفا) ابھی تک پتھر پر نہیں اُگا ہے تو خواہ مخواہ کیوں اس کی سعی کر رہا ہے۔

یارب یہ دردمند ہے کس کی نگاہ کا
ہے ربطِ مشک و داغِ سوادِ ختن ہنوز

داغ پر مشک چھڑکنا: داغ کو ہرا رکھنا، مندمل نہ ہونے دینا۔ ختن کے ہرن اور مشک مشہور ہیں۔ سواد کے معنی سیاہی اور نواح کے ہیں۔ سوادِ ختن کو داغ قرار دیا اور سوال کیا کہ اس داغ کا اور مشک کا ربط ہے۔ ضرور یہ کسی عاشق کا داغ ہے کہ اس پر مشک چھڑکی جا رہی ہے۔ ختن نے کسی حسین کی نگاہ سے دردِ عشق پایا ہے؟

جوں جادہ سر بہ کوئے تمنائے بیدلی
زنجیرِ پا ہے رشتۂ حب الوطن ہنوز

جس طرح باہر سے سڑک آتی ہے اور کسی محلے کے کوچے میں اپنا سر ادے کر ختم ہو جاتی ہے اسی طرح میں نے بھی بیدلی کے کوچے میں اپنا سر کیا ہوا ہے یعنی بیدلی کے کوچے میں در آیا ہوا ہوں۔ باہر کھلی سڑک پر جانے کی ہمت نہیں۔ حُبِ وطن میرے پاؤں میں زنجیر بن گیا ہے۔ اس طرح اپنے مستقر پر ٹھہرنے اور باہر جا کر قسمت آزمائی نہ کرنے کی دو وجوہ بتائی ہیں حُبِ وطن اور بیدلی یا بے زاری۔

میں دور گردِ قربِ بساطِ نگاہ تھا
بیرونِ دل نہ تھی تپشِ انجمن ہنوز

دور گرد: دور گھومنے والا۔ بساطِ نگاہ: نگاہ کا پھیلاؤ یا وہ احاطہ جہاں تک نگاہ دیکھ پاتی ہے۔ نگاہ محبوب کی بھی ہو سکتی ہے اپنی بھی۔ ابھی انجمن یعنی بقیہ لوگوں کی تپشِ دل سے باہر بھی نہ آئی تھی یعنی یاروں کے دل عشق سے واقف بھی نہ تھے کہ میں دور دور تک میدانِ نگاہ کی سیر کر رہا تھا۔ اگر اپنی نگاہ مراد ہے تو یہ وحشت گردی کی نشانی ہو سکتی ہے۔ اگر محبوب کی نگاہ مراد ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ میں حُسن کے آس پاس منڈلایا کرتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ

میں اس وقت کاروبارِ عشق میں کامل ہو گیا تھا جب بقیہ لوگوں کے دل اس جذبے سے واقف بھی نہ تھے۔ اگر تپشِ انجمن کی جگہ محض "تپش" ہوتا تو پھر "دل" سے مراد اپنا دل ہوتا اور شعر کے معنی کچھ اور ہوتے۔

تھا مجھ کو خار خارِ جنونِ وفا اسدؔ
سوزن میں تھا نہفتہ گلِ پیرہن ہنوز

خار خار: خواہش ہونا۔ گلِ پیرہن: کرتے پر جو پھول بوٹا کاڑھا جاتا ہے۔ ابھی کرتے کا بوٹا سوئی کے اندر ہی چھپا تھا۔ یعنی سوئی نے بوٹا نہ کاڑھا تھا۔ کپڑے پر بوٹے بننے کے بعد پیرہن سیا جاتا ہے لیکن مجھے اس سے پیشتر ہی جنونِ وفا کی خواہش تھی۔ پیرہن بننے سے پہلے ہی جنونِ وفا مجھے اس بات پر مائل کر رہا تھا کہ جیوں ہی مجھے پیرہن پہنایا جائے اسے تار تار کر دوں۔

(۸۲)

میں ہوں سرابِ یک تپش آموختن ہنوز
زخمِ جگر ہے تشنہ لبِ دوختن ہنوز

میں ابھی عشق کی تڑپ سے واقف نہیں ہوں۔ جو مجھے پہنچا ہوا عاشق سمجھ رہے ہیں وہ فریب کھا رہے ہیں۔ میں ایسا سراب ہوں جو بظاہر بہت صاحبِ تپش معلوم ہوتا ہے لیکن ابھی دراصل تپش کا سبق سیکھنے کو ہے۔ ابھی میرے زخمِ جگر کے منہ پر ٹانکے نہیں لگائے گئے۔ زخم پر ٹانکے لگائے جائیں گے تو تڑپ ہوگی۔

اے شعلہ فرصتے کہ سویدائے دل سے ہوں
کشتِ سپندِ صد جگر اندوختن ہنوز

سپند کے دانے کو جب آگ پر رکھا جاتا ہے تو وہ چٹختا ہے اس لئے غالبؔ کے یہاں "کشتِ سپند" کے معنی "یک جہاں تپش" کے ہوتے ہیں۔ کشتِ سپندِ صد جگر: سو جگر جلانا یعنی جگر سوزی۔ اندوختن کا تعلق کِشت سے ہے جگر سے نہیں۔ اے شعلہ ابھی ذرا ٹھہر کہ وہ جگر کو جلا کر رکھے گا۔ میں سویدا کی وجہ سے جگر سوختگی حاصل کرنے والا ہوں۔ مجھے شعلے کی کار فرمائی کی کیا ضرورت ہے۔ یا یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ خود سویدا کے اندر سو جگر جلنے کی تڑپ موجود ہے اور میں اس میں سے یہ تڑپ اکٹھی کرنے والا ہوں۔ سویدا کی مناسبت سپند سے ہے۔

فانوسِ شمع ہے کفنِ کشتگانِ شوق
در پردہ ہے معاملہ سوختن ہنوز

جو عشق میں مرے ہیں ان کا کفن شمع کے فانوس کی طرح ہے اندر شمع جلتی ہے باہر فانوس

اس پہ پردہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح عشق کے کشتے جلے ہوئے ہیں۔ کفن نے ان کی اصل حالت کو پردے میں کیا ہوا ہے۔

مجنوں فسونِ شعلہ خرامی فسانہ ہے
ہے شمعِ جادہ، داغِ نیفروختن ہنوز

اے مجنوں تیرے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ تو جنگل میں اتنی تیزی سے بھاگا پھرتا تھا کہ تیرے خرام میں آگ کی گرمی تھی اور اس سے راستے جل گئے تھے تو یہ سب افسانے کی طرح بے حقیقت باتیں ہیں۔ راستے کی شمع کے دل پر داغِ حسرت ہے کہ اسے جلایا نہیں گیا۔ فسون: منتر لیکن یہاں اس کے معنی محض روایت کے ہیں۔ جادے کو شمع سے تشبیہ دی ہے۔ نیفروختن: افروختہ یعنی روشن نہ ہونا۔ شمعِ جادہ کا نہ جلنا یعنی راستے پر کسی کا نہ چلنا۔ مجنوں سے کہا ہے کہ شعلہ خرامی کا کیا ذکر ہے، ابھی تو ان راستوں پر کسی کا قدم ہی نہیں پڑا۔

کو یک شرر؟ کہ سازِ چراغاں کروں، اسدؔ
بزمِ طرب ہے پردگیِ سوختن ہنوز

پردگی: پردہ کرنے والی، وہ شخص جو پردے میں ہو۔ ایک چنگاری کہاں ہے کہ چراغاں کا ساماں کروں۔ بزمِ طرب تو سوختن کے پردے میں چھپی ہوئی ہے۔ جب آگ لگائی جائے گی تو روشنی ہوگی، چراغاں ہوگا اور محفلِ طرب سجے گی۔ اس سے پہلے بزمِ طرب کا وجود ممکن نہیں۔ شاعر نے اپنی بدبختی کا مبالغہ کیا ہے کہ آگ لگنا ہی اس کے لئے بزمِ طرب ہو سکتی ہے اس سے ہٹ کر اور کوئی بزمِ طرب ممکن نہیں۔

(۸۳)

فریبِ صنعتِ ایجاد کا تماشا دیکھ
نگاہ عکس فروش و خیال آئینہ ساز

اس شعر میں مایا کا فلسفہ ہے۔ ہے عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے۔ یہ عالمِ موجودات نہیں ہماری طبعِ ایجاد کا فریب ہے۔ تخیل نے آئینہ بنایا ہے اور نگاہ عکس پیدا کر رہی ہے۔ ورنہ دراصل دنیا میں کسی چیز کا وجود نہیں۔

ہنوز، اے اثرِ دیدہ، ننگِ رسوائی
نگاہ فتنہ خرام و درِ دو عالم باز

میں نے آنکھوں سے بہت آنسو بہائے۔ خیال تھا کہ محبوب پر اثر ہوگا لیکن نہ ہوا۔ میرا جذبہ رسوا ہو رہا ہے۔ ابھی محبوب کی آنکھ فتنہ خرامی کرکے ہر طرف پڑتی ہے۔ دونوں عالم کا در کھلا ہوا ہے کبھی وہ اس کو دیکھتی ہے کبھی اس کو۔ ابھی تک صرف میری نہیں ہوئی۔

لیکن نسخۂ شیرانی میں "دیدہ" کی بجائے "دید" ہے۔ اس سے اثرِ اشک کی گنجائش نہیں رہتی اور معنی کسی قدر الجھ جاتے ہیں۔ غالباً یہ معنی ہیں۔ "محبوب نے مجھے دیکھا، خیال تھا کہ میرے حالِ زار کا اس پر اثر ہوگا لیکن نہ ہوا۔ تاثیرِ دید رسوائی کے قابل ہے۔ محبوب کی نگاہ ابھی تک فتنہ برپا کرتی ہر طرف پھر رہی ہے۔ ساری دُنیا کا میدان اس کیلئے کُھلا ہے۔ جہاں چاہے فتنہ بپا کرے۔" ایک فلسفیانہ تشریح بھی ہو سکتی ہے۔ اثر کے معنی نقشِ پا کے بھی ہوتے ہیں۔ "آسے میری کثرت آرا العبارت، تو تنگِ رسوائی ہے۔ میری نگاہ نے فتنہ بپا کیا ہوا ہے اور دونوں عالم میں ہرزہ گرد ہے۔ دراصل دو عالم کا وجود ہی نہیں۔ یہ نگاہِ غلط انداز کے فتنے ہیں۔" لیکن یہ تشریح جی کو نہیں لگتی۔ شعر میں حسن و عشق کا معاملہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

زلیکہ جلوۂ صیّاد حیرت آرا ہے
اُڑی ہے صفحۂ خاطر سے صورتِ پرواز

صیّاد بہت حسین ہے۔ اس نے میرے سامنے جلوہ کیا اور میں حیرت میں گُم ہو کر رہ گیا۔ اس کے جلوے کے اثر سے میرے دل سے اُڑنے کی خواہش اس طرح اڑنچھو ہو گئی جیسے کسی صفحہ پر سے کوئی تصویر اُڑ جائے۔

ہجومِ فکر سے دل مثلِ موج لرزاں ہے
کہ شیشہ نازک و صہبا ہے آبگینہ گداز

مشہور شعر ہے۔ نازک خیالی کو شیشہ پگھلانے والی شراب سے اور دل کو نازک شیشے سے تشبیہہ دی ہے۔ لرزنے کو موج کے لرزنے سے مشابہ کیا ہے۔ اتنے بلند و نازک خیالات کو دیکھ کر دل کانپ رہا ہے کہ ان سب کی تاب کیونکر لائی جائے گی۔ انھیں کیونکر ظاہر کیا جائیگا۔

اسؔد سے ترکِ وفا کا گمان، وہ معنی ہے
کہ کھینچیے پرِ طائر سے صورتِ پرواز

اسد پر ترکِ وفا کا شبہ کرنا وہی مضمون ہے کہ پرندے کے اُڑنے والے پر سے صلاحیتِ پرواز کھینچ لی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں۔ نہ پروں سے اُڑنا سلب ہو سکتا ہے نہ اسد سے وفا۔

(۸۴)

داغِ اطفال ہے دیوانہ بہ کہسار ہنوز
خلوتِ سنگ میں ہے نالہ طلب گار ہنوز

'داغِ اطفال ہے دیوانہ' کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ دیوانہ اطفال کے دلوں پر داغ کا موجب ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ 'دیوانے کے دل پر اطفال کے نہ ہونے سے داغ ہے'۔ یہ واضح نہیں کہ دیوانہ کہسار میں... ... ... ہرزہ گردی کرنے کیوں گیا ہے۔ بہرحال یہ اس وقت کا بیان ہے کہ ابھی لڑکوں نے دیوانے کے پتھر نہیں مارے اور اس نے نالہ نہیں کیا۔ دیوانہ کہسار میں ہے شہر میں لڑکے اس کی عدم موجودگی سے داغِ حسرت اُٹھا رہے ہیں کہ اس کے پتھر نہ مار سکیں گے یا دیوانہ خود لڑکوں کی کمی محسوس کر رہا ہے کہ اسے پتھر کھانے کی لذت نہ مل سکے گی۔ نالہ پتھر کی تنہائی میں طلب گار ہے کہ پتھر کو دیوانے کے سر پر مارو تاکہ نالے کے اجرا کا موقع ہو سکے۔

خانہ ہے سیل سے، خوکردۂ دیدار ہنوز
دوربیں در زدہ ہے رخنۂ دیوار ہنوز

دوربین در زدہ: در دروازے کے معنی میں نہیں بلکہ اندر کے معنی میں ہے یعنی جس کے اندر دوربین ٹھنسی ہوئی ہو۔ سیلاب آیا۔ گھر کی دیوار میں سوراخ ہو گیا۔ یہ آنکھ نہیں دوربین ہے جس سے یار کا دیدار کیا جائے۔ سیلاب کی وجہ سے گھر کو بھی دیدار کی عادت ہو گئی۔ کیونکہ ٹوٹی ہوئی دیوار کا سوراخ دوربین کی آنکھ کی طرح ہو گیا جس کے اندر سے ہم دیکھ سکتے ہیں۔

آئی یک عمر سے معذورِ تماشا، نرگس
چشمِ شبنم میں نہ ٹوٹا مژۂ خار ہنوز

مژہ در چشم شکستن کے معنی آزار پہنچنے کے ہیں۔ کیونکہ پلک کا بال ٹوٹ کر آنکھ میں گر جائے تو کھٹک ہوتی ہے۔ ایک عمر سے نرگس کی آنکھ معذورِ دید ہے یعنی اندھی ہے۔ شبنم کی آنکھ میں کانٹے کی پلک نہ ٹوٹی یعنی شبنم کو کانٹے نے آزار نہیں دیا۔ شبنم کو کوئی دُکھ ہی نہیں کہ نرگس بے چاری اندھی ہے۔ کانٹے پر جو اوس پڑتی ہے وہ گویا شبنم کی آنکھ میں پلک کا کانٹا ہے لیکن ٹوٹا نہیں۔

کیوں ہوا تھا طرفِ آبلۂ پا، یارب
جادہ ہے واشدنِ پیچشِ طومار ہنوز

طرف: مقابل۔ طومار: لمبی تحریر۔ دفتروں میں لمبے کاغذوں پر لکھی جانے والی تحریر
پیچشِ طومار: کاغذِ طومار کا تہہ ہونا۔ راستہ میرے آبلۂ پا سے کیوں مقابل ہوا۔ میرے آبلۂ پا کے

باوجود راستے کو ذرا میں طے کر دیا۔ راستہ سکڑ کر اتنا مختصر رہ گیا۔ جیسے لپیٹا ہوا طومار ہو جسے ابھی کھولنا ہے لیکن ابھی تک کھولا نہیں۔ اس طرح طومار کا قد کتنا سادہ جائے گا۔ میری صلاحیتِ جولاں کے سامنے جادے کا بھی یہی حال ہے۔

ہوں خموشی چمن حسرتِ دیدار اسدؔ

مژہ ہے شانہ کش طرۂ گفتار ہنوز

"خموشی چمن" کی ترکیب کا جواز نہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ میں حسرتِ دیدار میں خموشی کے چمن کی سیر کر رہا ہوں یعنی مجھے حسرتِ دیدار تو ہے لیکن محبوب کے سامنے اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ خاموش رہتا ہوں۔ ابھی میری پلکِ گفتار کی زلفوں میں کنگھی کر رہی ہے یعنی گفتار کی تیاری پوری نہیں ہوئی کہ وہ سب کے سامنے ظاہر ہو سکے یعنی میری خواہشِ دیدار ابھی الفاظ کی منزل تک نہیں پہنچی۔

(۸۵)

حسنِ خود آرا کو ہے مشقِ تغافل ہنوز

ہے کفِ مشاطہ میں آئینۂ گل ہنوز

محبوب اپنی آرائش کے ساتھ تغافل کی مشق بھی کر رہا ہے۔ اس کی آرائش کرنے والی مشاطہ ہاتھ میں پھول لئے ہے تاکہ محبوب اپنے بالوں میں لگالے لیکن محبوب تغافل برت رہا ہے اور اس سے پھول نہیں لے رہا۔ پھول کو صفائی کی وجہ سے آئینے سے تشبیہ دی ہے۔ مشاطہ کے ہاتھ میں بالعموم آئینہ ہوتا ہے۔ سندیلوی نے اس شعر کو حقیقت میں لے لیا ہے لیکن مجھے تامل ہے۔ حسن سے مراد اگر خالق لیا جائے تو مشاطہ کسے کہا جائے۔ انسان کو قدرت کا مشاطہ نہیں قرار دیا جا سکتا اس لئے اس شعر کو سیدھا سادہ مجازہی میں رکھیئے۔

سادگی یک خیال، شوخیِ صد رنگ نقش

حیرتِ آئینہ ہے جیبِ تامل ہنوز

میرا خیال ابھی سادہ ہے اس کے سامنے طرح طرح کے رنگین نقوش اپنی شوخی دکھا کر مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہمیں کھینچ، ہمیں وجود میں لا۔ فکر حیران ہے اور سوچ رہا ہے کہ کس نقش کو پیش کروں اور کسے نہ کروں۔ جیبِ تامل: فکر کا گریباں یعنی غور و خوض۔ حیرتِ آئینہ: آئینے کی سی حیرت۔

سادہ و پُرکار تر، غافل و ہشیار تر

مانگے ہے شمشاد سے شانۂ سنبل ہنوز

پُرکار: جو کام میں ہوشیار ہو طرار: سادہ پُرکار محبوب کو کہتے ہیں شمشاد کی لکڑی سے کنگھی بنائی جاتی ہے اس لئے شانۂ شمشاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سنبل کی مشابہت زلف سے ہے میرا محبوب بظاہر سادہ و غافل ہے لیکن در اصل ہوشیار و طرار ہے۔ وہ شمشاد سے کہہ رہا ہے کہ تیرے پاس سنبل کی زلف سنوارنے کا شانہ ہے وہ مجھے دے۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح سنبل کی زلفیں آراستہ نہ ہو سکیں گی اور اس شانے سے محبوب اپنے گیسو بنا کر سنبل پر اپنی فوقیت دکھائے گا۔ یہ پُرکاری تو نہیں اور کیا ہے۔

ساقی و تعلیم رنج، محفل و تمکیں گراں

سیلیِ استاد ہے ساغرِ بے مُل ہنوز

ساقی کسی کو شراب نہیں دے رہا۔ اس طرح ستم برداشت کرنے کی تعلیم دے رہا ہے محفل ہے کہ اس پر استقلال و تمکیں گراں گذر رہی ہے۔ اس طرح شراب سے خالی پیالہ استاد کے تھپڑ کی طرح ہے جو شاگرد کی تعلیم کیلئے لگایا جاتا ہے۔ ساقی ہمیں رنج کی تعلیم دے رہا ہے۔

... ...

... ...

شغلِ ہوس در نظر، لیک حیا بے خبر

شاخِ گلِ نغمہ ہے نالۂ بلبل ہنوز

محبوب کی نظر کے سامنے نام نہاد عاشق ہوس کا کھیل کھیل رہا ہے لیکن حیائے حسن کو اس کی خبر ہی نہیں۔ جسے بلبل کا نالہ کہتے ہیں یہ در اصل راگ رنگ ہے لہو و لعب ہے جو ہوس کی نشانی ہے۔ گلِ نغمہ سے مراد نغمے کا بہترین جزو ہے۔ دوسری ترکیب شاخِ گل ہے۔ غالب نے دونوں کو ملا دیا ہے۔ شاخِ گلِ نغمہ: وہ ٹہنی جس میں بہترین نغمہ موجود ہو یعنی خود نغمہ

دل کی صدائے شکست سازِ طرب ہے اسدؔ

شیشۂ بے بادہ سے چاہیے ہے قلقل ہنوز

بھری ہوئی بوتل سے شراب انڈیلی جاتی ہے تو قلقل کی آواز نکلتی ہے۔ اس طرح صدائے قلقل شراب ملنے کی یعنی کامرانی کی آواز ہے۔ کسی چیز کو توڑا جائے تو اس میں سے بھی آواز نکلتی ہے۔ دل کے ٹوٹنے کی آواز ہی میرے لئے خوشی کا ساز ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ساز میرے مقدر میں نہیں۔ میرا دل خالی بوتل سے صدائے قلقل طلب کر رہا ہے جو امرِ عبث ہے۔

دل کو خالی بوتل ہی میسر ہے اس لئے آخر کار اسے مغموم ہونا پڑے گا۔

(۸۶)

چاکِ گریباں کو ہے ربطِ تامل ہنوز
غنچے میں دل تنگ ہے حوصلۂ گل ہنوز

دل تنگ : ملول۔ غنچے کو دیکھ کر شاعر کہتا ہے کہ اس کے اندر چاکِ گریباں کا اقدام پس و پیش کے عالم میں معلوم پڑتا ہے۔ پھول کا حوصلہ ہوتا ہے کہ اپنا گریباں چاک کر دیتا ہے۔ چونکہ غنچہ ابھی تذبذب کے عالم میں ہے اسلئے اس کے اندر پھول کا حوصلہ ملول ہو رہا ہے کہ گریباں چاکی کی خواہش کو اظہار کا موقع نہیں مل رہا۔

دل میں ہے سودائے زلف مستِ تغافل ہنوز
ہے مژہ خواب ناک، ریشۂ سنبل ہنوز

میں اس شعر کی نثر یوں کروں گا۔ دل میں ہنوز مستِ تغافل زلف کا سودا ہے یعنی ہوئے میرے دل میں اس زلف کا سودا ہے جو ابھی تک میری طرف سے غفلت برت رہی ہے۔ زلف مشابہ ہے سنبل کے ریشے سے اور یہ ریشۂ سنبل خواب ناک پلکوں سے مشابہ ہے جو تغافل کی علامت ہیں۔ التفات کا اظہار نظر کرنے سے ہوتا ہے۔ نظر کرنے کا فقدان مثلاً پلکوں کا غنودگی کے عالم میں ہونا تغافل کا امین ہے۔

آسی نے سودائے زلف کو مستِ تغافل سمجھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ دوسرے مصرع میں ریشۂ سنبل (یعنی زلف) کو مژہ خواب ناک (یعنی مستِ تغافل) کہا ہے۔

پرورشِ نالہ ہے وحشتِ پرواز سے
ہے تہِ بالِ پری بیضۂ بلبل ہنوز

پری کا سایہ جس پر پڑ جائے وہ دیوانہ ہو جاتا ہے اس لئے پری علامت ہے وحشت کی۔ بلبل نالے کرتی ہے۔ بیضہ تہِ بال ہونا : پروں کے نیچے رکھ کر انڈے کو سینا۔ بلبل کے انڈے کو پری نے اپنے پروں کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ اس لئے ابھی بلبل کے نالے کا سوال ہی نہیں۔ جب انڈے میں سے بلبل کا بچہ نکل آئے گا تو اس عاشق کی پرواز میں بڑی وحشت ہو گی کیونکہ وہ پری کے پروں کے نیچے رہ چکا ہے۔ عاشق مزاجی کی وجہ سے وہ نالے بھی کرے گا جس سے ظاہر ہوا کہ وحشت کے ساتھ پرواز کا نتیجہ نالہ و فریاد ہوتا ہے۔

پہلے مصرع میں پرواز کا تعلق پری سے ہے نہیں بلبل سے ہے کیونکہ پری جب بیضۂ بلبل کو پروں کے نیچے لئے ہو گی تو وہ حالتِ پرواز میں نہیں حالتِ سکون میں ممکن ہے

عشق کمین گاہِ درد، وحشتِ دل دور گرد
دام تہِ سبزہ ہے حلقۂ کاکل ہنوز

صیاد کسی شے کی آڑ میں گھات لگا کر چھپ جاتا ہے۔ آگے گھاس کے اندر جال پھیلائے رہتا ہے۔ ایسی ہی کچھ کیفیت حسن و عشق کے معاملے میں ہے۔ عشق کو کمین گاہ قرار دیا ہے۔ درد کو کمین گاہ کے پیچھے چھپنے والا صیاد۔ محبوب کی خم بہ خم زلفوں کے حلقے ایسا جال ہیں جو نظر سے پوشیدہ رکھنے کیلئے سبزے میں چھپایا ہو۔ دل کی وحشت اسے دور دور گھماتی ہے یقینی ہے کہ جلد ہی دل دامِ حلقۂ کاکل میں پھنس جائے گا اور پھر درد میں مبتلا ہو جائے گا۔

لذتِ تقریرِ عشق، پردگیِ گوشِ دل
جوہرِ افسانہ ہے عرضِ تجمل ہنوز

پردگی : پردہ نشین عورت۔ تجمل : شان و شوکت۔ شعر کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) عاشق نے جو طلاقتِ لسانی کے ساتھ اپنے حالِ دل کے بارے میں تقریر کی اس کی لذت محبوب کے دل کے کانوں کے پردے میں بیٹھ گئی۔ بوالہوس جو اپنا جھوٹا افسانہ سنا رہا ہے اس افسانے کا مرکزی خیال ابھی شان و شوکت بگھارنے یا مبالغہ کرنے ہی میں مصروف ہے۔

(۲) عاشق محبوب کے سامنے اپنا افسانہ شروع کر رہا ہے۔ ابھی وہ حسن و عشق کی شوکت کا تذکرہ ہی کر رہا ہے کہ اس کی تقریر کی لذت گوشِ دلِ محبوب میں بیٹھ چکی ہے۔ گوش کے ساتھ پردے کا لفظ خوب لائے ہیں۔

آئینۂ امتحاں، نذرِ تغافل اسد
شش جہت اسباب ہے وہمِ توکل ہنوز

نسخۂ عرشی میں نذرِ تغافل کے بعد وقفہ کا نشان سخت گمراہی کا موجب ہوتا ہے۔ سر خوش اور آسی نے پہلے مصرع کے معنی لکھے ہیں کہ اے اسد تو نے آئینۂ امتحاں کو نذرِ تغافل کیا ہوا ہے۔ میرے علم میں آئینۂ امتحان کوئی محاورہ نہیں۔ میری رائے میں نذرِ تغافل اسد کی صفت ہے۔ مطلب ہے اسد جو کہ غریقِ غفلت ہے زیرِ امتحاں ہے اس کی حالت آئینہ دارِ امتحاں ہے۔ اس کے پاس دنیا بھر کا اسباب و سامان ہے اور اس کے باوجود اسے وہم ہے کہ اس کے

پاس کچھ بھی نہیں اور وہ توکل کئے ہے۔ اس کی یہ غفلت، یہ دُنیاداری اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قیامِ عالمِ اسباب کے امتحان میں ناکام رہے گا۔ شش جہت اسباب: دُنیا بھر کا ساز و سامان

(۸۷)

کو بیابانِ تمنّا و کجا جولانِ عجز؟
آبلے پا کے ہیں یاں رفتار کو دندانِ عجز

دندانِ عجز: دندان نمودن کے معنی ہیں ڈرنا، زاری کرنا، اظہارِ عجز کرنا۔ اس لئے دندانِ عجز وہ دانت ہیں جو عاجزی میں دکھائے جائیں۔ کہتے ہیں کہاں تمنّا کے بیابان کی وسعت اور کہاں ہماری عاجزی اور عدمِ استطاعت کی دوڑ۔ عدمِ استطاعت ہمارے پاؤں میں آبلہ بن کر رفتار میں مزاحم ہو رہی ہے اور پاؤں کے آبلے دندانِ عجز کی طرح ہماری مجبوری کا اعلان کر رہے ہیں یعنی ہماری صلاحیتیں اور ذرائع بہت محدود ہیں اس لئے ہم نہ تمنّا کرتے ہیں نہ اس کے حصول کی جدّوجہد۔

ہو قبولِ کم نگاہی، تحفۂ اہلِ نیاز
اے دل و اے جانِ ناز! اے دین و اے ایمانِ عجز

عجز سے مراد اہلِ عجز یعنی عاشق ہیں۔ اے دوست تو ناز کا دل و جاں ہے یعنی سراپا ناز ہے تو ہم اہلِ عجز کا دین و ایمان ہے۔ تیرا شیوہ ہے کہ تو عشاق کی طرف نگاہ نہیں کرتا پھر بھی ہماری استدعا ہے کہ تو نیاز والوں کے تحفے پر نگاہ کر کے دیکھ اور اسے قبول کر لے۔

بوسۂ پا انتخابِ بدگمانی ہائے حُسن
یاں ہجومِ عجز سے تا سجدہ ہے جولانِ عجز

محبوب کھڑا تھا۔ میں نے اس کے پاؤں پر سجدہ کر لیا۔ اس نے بدگمانی سے مجھ پہ الزام لگایا کہ میں نے بوسۂ پا لینا چاہا ہے۔ یہاں یہ حالت ہے کہ میرے عجز کی دوڑ سجدے تک ہے۔ اس سے آگے بوسۂ پا وغیرہ کی تو میں جسارت کر ہی نہیں سکتا۔

حُسن کو غنچوں سے ہے پوشیدہ چشمی ہائے ناز
عشق نے وا کی ہے ہر یک خار سے مژگانِ عجز

پوشیدہ چشم: نابینا۔ پوشیدہ چشمی: کسی کی طرف سے آنکھ بند کر لینا۔ مژگانِ عجز: عاجزی سے بھری ہوئی آنکھوں کی پلکیں۔ غنچہ بند آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے اور کانٹا پلکوں سے۔ محبوب ناز کی وجہ سے غنچوں کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ غنچوں کی بند آنکھ اس کی آنکھوں کے مقابلے میں بہت کم حسین ہیں اس لئے وہ ان کی

طرف توجہ نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ غنچے کے پاس کانٹے بھی ہوتے ہیں اور کانٹے کیا ہیں؟ عشق کی عاجزی بھری آنکھوں کی پلکیں جو حسن کو دیکھنے کی مشتاق ہیں۔ حسن کیلئے لازم ہوا کہ غنچہ اور عشق دونوں کی طرف سے آنکھ موڑے رہے۔

اضطرابِ نارسائی مایۂ شرمندگی
ہے عرق ریزیٔ خجلت جوششِ طوفانِ عجز

شرمندگی کے پاس کون سا سرمایہ ہے؟ نارسائی کے احساس سے پیدا کی ہوئی بے چینی۔ ندامت میں جو پسینہ آتا ہے وہ عاجزی کے طوفان کا جوش ہے۔ عرقِ ندامت محاورہ ہے جس سے شاعر نے طوفان کا سامان بہم کیا ہے۔ یعنی ہم اپنے مقاصد میں بالکل نارسا اور عاجز ہیں۔

وہ جہاں مسند نشینِ بارگاہِ ناز ہو
قامتِ خوباں ہو محرابِ نیازستانِ عجز

میرا محبوب جہاں ناز کی منزل میں مسند نشین ہو وہاں دوسرے خوش قد حسین آ کر اس کے سامنے نیاز سے اس طرح کمر خم ہوں گے کہ ان کا قد محراب کی طرح ہو جائے گا۔ ان کے ہجوم نیاز سے بارگاہ نیازستان بن جائے گی۔

بسکہ بے پایاں ہے صحرائے محبت اے اسد
گرد باد اس راہ کا ہے عقدۂ پیمانِ عجز

صحرا میں بگولے ہوتے ہیں۔ بگولہ گول گول ہوتا ہے۔ گرہ بھی گول ہوتی ہے۔ صحرائے محبت کی کوئی انتہا نہیں۔ کوئی اسے پورا طے نہیں کر سکتا۔ اس صحرا کے راستے کا بگولا کیا ہے۔ عجز کے وعدے کی گرہ یعنی اعترافِ عجز۔ یہ مان لینا کہ ہم اس صحرا کو پورا طے نہیں کر سکتے۔

(۸۸)

نہ بندھا تھا بہ عدم نقشِ دلِ مور ہنوز
تب سے ہے یاں دہنِ یار کا مذکور ہنوز

یار کے دہن کی تنگی کا مبالغہ ہے۔ چیونٹی بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کا دل کتنا چھوٹا ہو گا۔ نقش بستن کے معنی آفریدن و تصویر کردن کے ہیں۔ یار کے دہن کو دلِ مور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عدم میں دلِ مور کو پیدا بھی نہ کیا گیا تھا کہ ہم اس سے زیادہ تنگ چیز دہنِ یار واقف ہیں اور اس کا ذکر کرتے ہیں۔

سبزہ ہے نوکِ زبانِ دہنِ گور ہنوز
حسرتِ عرضِ تمنا میں ہوں رنجور ہنوز

مجھے زندگی بھر اپنی خواہش کو عرض کرنے کی حسرت رہی۔ میری قبر پر جو سبزہ اُگا ہے وہ دہنِ گور کی زبان کی نوک ہے یعنی میں اب بھی اس زبان سے اپنی تمنا عرض کرنا چاہ رہا ہوں۔ اور عرض نہ کرنے کی وجہ سے رنجیدہ ہوں۔

صد تجلی کدہ ہے صرفِ جبینِ غربت
پیرہن میں ہے غبارِ شررِ طور ہنوز

اس دُنیا سے انسان اس دُنیا میں آیا۔ یہاں وہ اجنبی اور مسافر ہے۔ اس کی پیشانی میں اب بھی ہزار تجلیاں ہیں۔ اس کے پیرہن میں اب بھی شررِ طور کا غبار یعنی نورِ الوہیت موجود ہے۔ خدا نے آدم کی پیشانی میں نور لبایا تھا۔ مسافر کے کپڑوں پر غبار ہوتا ہے۔ یہاں شررِ طور کا غبار ہے۔

زخم دل میں ہے نہاں غنچۂ پیکاں نگار
جلوۂ باغ ہے در پردۂ ناسور ہنوز

یار نے میرے دل پر تیر مار کر زخم کیا۔ پیکانِ تیر جو غنچے کی طرح ہے۔ میرے دل میں موجود ہے۔ زخم کا سوراخ ناسور بن گیا ہے لیکن اس ناسور میں باغ کا عالم ہے۔ کیونکہ اس میں محبوب کے تیر کے پیکان کا غنچہ موجود ہے۔

پا، پُر از آبلہ، راہِ طلبِ مے میں ہوا
ہاتھ آیا نہیں یک دانۂ انگور ہنوز

دانۂ انگور سے شراب بھی بنتی ہے اور آبلۂ پا کی مشابہت بھی دانۂ انگور سے ہے۔ میں نے شراب کی تلاش میں بڑی دوڑ دھوپ کی۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے لیکن شراب تو درکنار انگور کا ایک دانہ بھی نہ ملا۔ انگور ملتا تو اس سے شراب بناتے۔

گل کھلے، غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہوئی
سرخوشِ خواب ہے وہ نرگسِ مخمور ہنوز

نرگسِ مخمور سے مراد محبوب ہے۔ سرخوش: جس کو ہلکا سا نشہ ہو۔ صبح ہو گئی انسانوں کے بیدار ہونے کا اور پھولوں کے کھلنے کا وقت آ گیا لیکن وہ نرگسی آنکھوں والا ابھی تک نیند میں مست ہے۔

اے اسد تیرگیٔ بختِ سیہ ظاہر ہے
نظر آتی نہیں صبحِ شبِ دیجور ہنوز

ہماری قسمت کالی رات کی سیاہی میں ظاہر ہے۔ یہ ایسی کالی رات ہے جس کی صبح ہوتی نظر نہیں آتی یعنی بدقسمتی کا خاتمہ نظر نہیں آتا۔

(س)

(۸۹)

حاصلِ دل بستگی ہے عمرِ کوتاہ اور بس
وقفِ عرضِ عقدہ ہائے متصل تارِ نفس

دل بستگی: دل لگانا یعنی عشق کرنا۔ عشق کرنے کا حاصل محض عمر کا مختصر ہو جانا ہے۔ جس طرح ایک دھاگے میں مسلسل ایک دوسرے کے متصل گانٹھیں لگائی جائیں تو وہ دھاگا گھٹ کر بہت چھوٹا رہ جائے گا اسی طرح سانس کے تار میں مسلسل گرہیں لگ رہی ہیں اور وہ چھوٹا ہوتا جا رہا ہے یعنی عمر کوتاہ ہو رہی ہے۔ سانس کے تار میں گرہوں کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ (۱) لاینحل مسائل جو گرہ سے مشابہ ہوتے ہیں۔ (۲) دل بستگی میں وفا کا پیمان بھی مضمر ہے۔ پیمان کیلئے عقدہ لگایا جاتا ہے۔ ساری عمر کیلئے دل لگانے میں مسلسل عقدہ ہائے پیمان لگانے پڑیں گے۔ اور یہ عقدے سانس کے تار میں ہیں۔

کیوں نہ طوطیٔ طبیعت نغمہ پیرائی کرے
باندھتا ہے رنگِ گل آئینہ تا چاکِ قفس

آئینہ باندھنا: آئینہ بندی کرنا یعنی کسی مکان یا شہر کی زیبائش کیلئے آئینے اور تصاویر لگانا۔ یہ خاص خاص خوشی کے موقعوں پر ہوتا ہے۔ بہار میں رنگِ گل نے ہر طرف آئینہ بندی کر دی ہے۔ قفس تک پھول ہی پھول ہیں۔ قفس کے اندر ہونے کے باوجود میری طبیعت کیوں نہ گانے لگے۔ چاکِ قفس سے مراد قفس کی مختلف تیلیوں کے بیچ کا خلا ہے۔ طوطی اور آئینے کا تعلق ہے۔ طوطی کو نطق سکھانے کیلئے آئینے کے سامنے بٹھا کر نغمہ سرا کراتے ہیں۔

اے ادا فہماں صدا ہے تنگیٔ فرصت سے خوں
ہے یہ صحرائے تحیر چشمِ قربانی جرس

صحرائے تحیر اسی دُنیا کو کہیے۔ صحرا سے سفر کے وقت قافلے میں گھنٹہ بجایا جاتا ہے دُنیا کے

رخصت ہونے والے مذبوح جانور کیلئے گھنٹہ تو نہیں بجایا گیا لیکن قربانی کے وقت اس کی سرخ آنکھ ہی خاموش جرس ہے۔ مہلت کے کم ہونے کی وجہ سے آواز اتنی دل تنگ ہوئی کہ خون ہو گئی اور یہ خون آنکھ میں ظاہر ہوا۔ خون ہونے کے معنی کشتہ ہو جانے کے ہیں لیکن یہاں محاورے کو لفظی معنی میں لے لیا گیا ہے۔ قربان ہونے والے جانور کیلئے تنگیٔ عمر ہی اتنی حیرت فزا ہے کہ اس کیلئے دنیا صحرائے تحیر ہو جاتی ہے۔ غالب نے یہ مضمون پیچھے بھی باندھا ہے۔

تیز تر ہوتا ہے خشمِ تند خویاں عجز سے
ہے رگِ سنگ فسانِ تیغِ شعلہ خار و خس

عاجزی دکھانے سے اہلِ غضب کا غصہ اور بھی تیز ہو جاتا ہے۔ سنگِ فساں: دھار رکھنے کا پتھر۔ اس پر تلوار کی دھار رکھی جاتی ہے۔ لیکن یہاں تلوار شعلے کی تلوار ہے۔ اس لئے اس تلوار کا سنگِ فساں بلکہ رگِ سنگِ فساں تنکے ہیں۔ جس طرح دھار رکھنے کے پتھر پر رگڑنے سے تلوار تیز ہوتی ہے۔ اسی طرح شعلے میں خار و خس ڈالے جائیں تو وہ تیز ہو جائے گا۔ گویا یہ ثابت ہو گیا کہ خس شعلے کی تیغ کیلئے فساں ہے۔ عاجزی اور شکست کے اعتراف کیلئے دانتوں میں تنکا دبا کر حاضر ہوتے ہیں۔ اس لئے خس عاجزی کی نشانی ہے۔ حسینوں کا غصہ آگ ہے اور عاشق کی عاجزی تنکا۔ یہ تنکا آگ کو تیز تر کر دیتا ہے۔ خود نوشت دیوان میں "خشمِ تندِ خوباں" ہے۔ اس طرح بھی معنی یہی رہیں گے۔

سختیٔ راہِ محبت منعِ دخلِ غیر ہے
پیچ تابِ جادہ ہے یاں جوہرِ تیغِ عسس

عسس: کوتوال۔ عشق کے راستے کی مشکلات رقیب کو اس طرف آنے سے روکتی ہیں گویا اس راستے کے پیچ و خم کوتوال کی تلوار کا جوہر ہیں اور یہ تلوار غیر کو ادھر آنے سے روکتی ہے۔ پیچ تاب کے لفظی معنی بے قراری کے ہیں۔ تلوار کا جوہر ذرات کی شکل میں ہوتا ہے اور ذروں میں بے قراری ہوتی ہے۔

اے اسدؔ ہم خود اسیرِ رنگ و بوئے باغ ہیں
ظاہرا صیادِ ناداں ہے گرفتارِ ہوس

صیاد پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسے ہوس ہے جس کی وجہ سے پرندوں کو باغ میں نہیں آنے دیتا۔ سچ یہ ہے کہ ہم پرندے خود باغ کے پھولوں کے رنگ و بو کے گرفتار ہیں۔ اس لئے صیاد کے پاس چلے آتے ہیں۔

(۹۰)

دشتِ الفت میں ہے خاکِ کشتگاں محبوس ولیس
پیچ تابِ جادہ ہے خطِ کفِ افسوس ولیس

دشتِ الفت: وہ جنگل جہاں عاشق جوشِ وحشت میں جولانی کرتے ہیں۔ الفت کے صحرا میں جو خاک ہے وہ کشتگانِ عشق کی خاک ہے جو یہاں اسیر ہو کر رہ گئی ہے۔ اس صحرا کے راستے میں جو پیچ و خم ہیں وہ عاشقوں کے افسوس میں ملے جانے والے ہاتھوں کی دھاریاں ہیں۔ افسوس میں دونوں ہاتھوں کو مل کر رہ جاتے ہیں۔ ہاتھوں کی دھاریوں میں پیچ و خم ہوتا ہے۔

نیم رنگی ہائے شمعِ محفلِ خوباں سے ہے
پیچکِ مہ صرفِ چاکِ پردۂ فانوس ولیس

نیم رنگی: رنگ کا ناقص ہونا۔ پیچک: اس کے کئی معنی میں دھاگے کی گولی، پیچ دار نالی والا طمنچہ۔ ان دو معانی سے شعر کی دو تشریحیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) فانوس کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔ یعنی اس میں شگاف ہو گیا ہے جس کی وجہ سے حسینوں کی محفل کی شمع کی روشنی گڑبڑ کر رہی ہے چاند رات کی پیچک کی طرح ہے۔ اس پیچک کا تمام دھاگا پردۂ فانوس کے چاک کو رفو کرنے کے کام میں صرف ہو رہا ہے یعنی چاند حسینوں کی بزم کی شمع کا تابع ہے۔ چونکہ فانوس کو پردہ کہا جاتا ہے اس لئے غالب نے یہ سوچے بغیر کہ یہ شیشے کا پردہ ہے اس کے چاک کے رفو کیلئے پیچک کا انتظام کر دیا۔ (۲) پیچک کے ایک معنی پیچ دار نالی والا طمنچہ بھی ہیں۔ چاند نے جب یہ دیکھا کہ پردۂ فانوس کی وجہ سے شمعِ محفلِ خوباں کی روشنی ہلکی ہے تو اس نے اپنے طمنچے کو پردۂ فانوس کو توڑنے میں مصروف کر دیا یعنی فانوس پر پستول کا وار کر کے توڑ دیا۔ دوسرے معنی زیادہ برجستہ تھے لیکن غالب اور کہیں بھی چاند کو دھاگے کی پیچک سے تشبیہہ دے چکے ہیں۔ اس لئے یہ قرینِ قیاس نہیں کہ اس شعر میں انہوں نے پیچک بمعنی پستول لیا ہے۔ پہلے معنی ہی کو ترجیح دی جائے گی۔

ہے تصور میں نہاں سرمایۂ صد گلستاں
کاسۂ زانو ہے مجھ کو بیضۂ طاؤس ولیس

تصور میں ہزار گلستان کا سامان موجود ہے۔ خیال کی رنگینی کا کیا کہنا۔ زانو پر سر رکھ کر آدمی خیال میں کھو جاتا ہے۔ طاؤس رنگ کی نشانی ہے۔ بیضۂ طاؤس مستقبل میں پیدا ہونے والے رنگ کی بشارت دیتا ہے۔ غالب کے یہاں بیضۂ طاؤس سے مراد آئندہ کے عیش و عشرت

کا تصور ہے۔ کاسۂ زانو کا بیضۂ طاؤس ہونے سے مراد ہے تصور کا عشرت فروا کی جھلک دیکھ لینا۔

کفر ہے غیراز وفورِ شوق، رہبر ڈھونڈنا
راہِ صحرائے حرم میں ہے جرس ناقوس و بس

عاشق کو شدتِ شوق کے علاوہ کسی دوسرے رہبر کو ساتھ رکھنا کفر ہے۔ حرم کے راستے میں جب زیارتِ حرم کیلئے سفر کرتے ہیں۔ اگر قافلہ ہو اور اُس کے ساتھ جرس ہو تو وہ زائر کی رہنمائی کرے گا۔ یہ شوق کی توہین ہے۔ جرس کفر کا نشان بن جائے گا۔ جیسے بت خانے کا ناقوس ہے۔

یک جہاں گل، تختۂ مشق شگفتن ہے اسد
غنچۂ خاطر رہا افسردگی مانوس و بس

تختۂ مشق: بچوں کی تختی جس پر لکھنے کی مشق کرتے ہیں۔ دُنیا بھر کے پھول شگفتن کے تختۂ مشق ہیں یعنی سب کے سب کھل رہے ہیں لیکن میرے دل کا غنچہ افسردہ اور بند رہا۔

(۹۱)

کرتا ہے، بہ یادِ بتِ رنگیں، دلِ مایوس
رنگِ نظر رفتہ، حنائے کفِ افسوس

رنگِ نظر رفتہ: وہ رنگ جو نظر سے گیا یعنی حسن کے وہ جلوے جو موجود نہیں لیکن جن کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ کفِ افسوس: افسوس میں ہاتھ ملتے ہیں۔ میرے مایوس دل کو رنگین محبوب کی یاد ہے اس کے وہ جلوے جو اب سامنے موجود نہیں افسوس کے ہاتھوں کو رنگ و زینت فراہم کر رہے ہیں۔ یعنی ان کے تصور کو رنگین کئے ہوئے ہیں۔

تھا خواب میں کیا جلوہ پرستارِ زلیخا
ہے بالشِ دل سوختگاں میں پرِ طاؤس

شادی سے پہلے زلیخا نے تین مرتبہ حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا تھا۔ صبح اُٹھنے پر جب اس کا حال زار ہوتا تو کنیزوں میں اس کا چرچا ہوتا تھا۔ شاعر کہتا ہے کہ زلیخا کے خواب میں کون سا جلوہ آ کر ملازمت کرتا تھا کہ اب بھی عاشقوں کا وہی حال ہے وہ بھی خواب میں حسینوں کے رنگین جلوے دیکھتے ہیں۔ طاؤس غالب کے یہاں خوش رنگی کا نمائندہ ہے۔ تکیے میں پر بھرے ہوتے ہیں۔ عاشقوں کے تکیے میں پرِ طاؤس بھرے ہیں یعنی عاشق سوتے وقت رنگین خواب دیکھتے ہیں۔ پرستار: خادمہ۔ بالش: تکیہ۔

حیرت سے ترے جلوے کی، ازبسکہ ہیں بے کار
خور، قطرۂ شبنم میں ہے، جوں شمع بہ فانوس

کون بے کار ہیں؟ آسی اور سعید ملوی نے محض خورشید کو اس کا مبتدا قرار دیا ہے لیکن "ہے" کی بجائے "ہیں" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ چیزوں کا ذکر ہے۔ دراصل خورشید اور شمع دونوں کے لئے کہا ہے کہ اے محبوب تیرا جلوہ دیکھ کر خورشید اور شمع دونوں حیرت سے پھیکے پڑ گئے ہیں۔ شمع فانوس میں چھپ گئی ہے اور اس کی تقلید میں سورج شبنم کی بوند میں چھپ گیا ہے۔

دریافتنِ صحبتِ اغیار غرض ہے
اے نامہ رساں، نامہ رساں چاہیئے جاسوس

اے چٹھی لے جانے والے چٹھی بھیجنے سے غرض یہ ہے کہ وہ پتہ لائیں کہ محبوب کے گھر میں اغیار کی صحبت رہتی ہے کہ نہیں۔ مجھے محض نامہ بر نہیں چاہیئے بلکہ جاسوس چاہیئے جو چٹھی لے کر جائے۔

ہے مشق، اسد، دستگہِ وصل کی منظور
ہوں خاک نشیں از پئے ادراکِ قدم بوس

میں خاک پر اس لئے بیٹھا ہوں کہ خاک نے جو محبوب کی قدم بوسی کی ہے میں اس کے طور طریق کو جان لوں۔ اس سے مجھے وصل کی قدرت حاصل کرنا منظور ہے۔ خاک نے جس وسیلے سے اس کی قدم بوسی حاصل کی ہے مجھے اس کا علم ہو جائے تو میں اسی کی مشق کر کے وصل تک رسائی کر سکوں گا۔

(۹۲)

کب فقیروں کو رسائی بتِ مے خوار کے پاس
تونبے بو دیجئے میخانے کی دیوار کے پاس

تونبا: کدو کا خول جس سے فقیروں کا کشکول یا کاسہ بنایا جاتا ہے۔ کدو یا تونبے سے شراب بھی بنتی ہے۔ محبوب مے خانے میں بیٹھ کر شراب پیتا ہے۔ فقیروں کی اس تک رسائی ممکن نہیں مے خانے کی دیوار کے پاس تونبے بو دئے جائیں جب ان پر پھل آئیں گے۔ تو ہم وہاں کشکول بنانے کیلئے تونبے لینے جائیں گے اور محبوب شراب بنانے کیلئے تونبے لینے آئے گا اور اس طرح ہماری اس تک رسائی ہو جائے گی۔

(ش)

(۹۴)

ہوئی ہے، بسکہ صرفِ مشقِ تمکینِ بہار آتش
بہ اندازِ حنا ہے رونقِ دستِ چنار آتش

آگ بہار کی شان و شوکت بڑھانے میں مصروف ہے۔ چنار کے پتے نومبر میں بالکل سرخ ہو جاتے ہیں۔ جیسے ان میں آگ لگی ہو۔ تو آگ دستِ چنار میں حنا کا کام کر رہی ہے یعنی اس کی تمکین بڑھا رہی ہے۔ تمکین: شان شوکت۔ چنار میں سے آگ نکلنے کی کچھ روایات بھی ہیں۔

شرر ہے رنگ بعدِ اظہارِ تاب جلوۂ تمکین
کرے ہے سنگ پر خرشید آبِ روئے کار آتش

تمکیں: ثابت قدمی۔ روئے کار: کپڑے کا سیدھا رُخ مثلاً پھول دار ریشم کا وہ رُخ جو پہننے کے بعد باہر کی طرف رہتا ہے۔ شرر اگر کچھ دیر تک استقلال کا جلوہ دکھا سکے تو وہ رنگ و رونق کا باعث ہے۔ سورج پتھر پر دھوپ کی آگ ڈالتا ہے تو وہ پتھر کے بیرونی رُخ پر آب و رنگ عطا کرتا ہے۔ آب اور آتش میں تضاد ہے۔ یہاں آب چمک کے معنی میں ہے۔ پتھر پر دھوپ پڑتی ہے تو اس میں چمک اور رنگ آجاتا ہے۔ آتش سے مُراد دھوپ ہے۔ پہلے مصرع میں بعد پر اضافت نہ ہونا عجزِ شاعرانہ ہے۔ بعدِ اظہار کا محل تھا۔

گداز موم ہے افسونِ ربطِ پیکر آرائی
نکالے کب نہالِ شمع بے تخمِ شرار آتش

افسونِ ربط: کسی چیز پر افسوں کرنا اور اس کے اثر سے کسی شخص پر افسوں کی تاثیر ظاہر ہونا۔ انگریزی میں اسے (SYMPATHETIC MAGIC) کہتے ہیں۔ اپنا موم گھلانا پیکر آرائی کا منتر یا گُر ہے۔ بغیر جلی ہوئی شمع کو بھی نہال سے تشبیہ دے سکتے ہیں لیکن وہ نہالِ بے رونق ہے نا آراستہ پیکر ہے۔ جب اس میں تخمِ شرر لگایا جاتا ہے تو آتش کا پھل ظاہر ہوتا ہے۔ روشن شمع پیکر آرائی ہے، گو اس آراستگی کی قیمت اپنا موم گھلا کر دینی پڑتی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ زندگی کو رنگین و بارونق بنانے کے لئے بڑی جفائیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

خیالِ دود تھا سرجوشِ سودائے غلط فہمی
اگر رکھتی نہ خاکسترنشینی کا غبار آتش

سرجوش: کسی رقیق شے کو جوش دیا جائے تو جو کچھ اُبل کر سطح پر یا دیگ کے باہر آجائے گا وہ سرجوش ہے یعنی صاف بہترین جزو۔ غلط فہمی کسے ہے؟ ہمیں یا آتش کو؟ دونوں طرح معنی نکل سکتے ہیں۔ (۱) دود دماغ نخوت و غرور کو کہتے ہیں اور خاکسترنشینی خاکساری کا نشان ہے۔ اگر آگ کے پاس خاک نشینی کی گرد نہ ہوتی تو اس میں سے دھواں نکلتا دیکھ کر ہمیں غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ یہ مغرور ہے۔ (۲) ہم آہیں کرتے ہیں اور وہ دُود سے مشابہ ہیں۔ غبار رکھنا دل میں کدورت رکھنا۔ آگ کو ہماری طرف سے غلط فہمی تھی۔ اوّل تو اسے ہماری خاکسترنشینی کا غبار تھا دوسرے ہمارے پاس آہوں کا دھواں تھا۔ وہ خاکستر و دود دونوں کی وجہ سے ہمیں اپنا حریف سمجھتی تھی۔ خاکستر راکھ ہے آگ بھی خاکسترنشین ہوتی ہے اور فقیر بھی

ہوائے پر فشانی برقِ خرمن ہائے خاطر ہے
بہ بالِ شعلۂ بے تاب ہے پروانہ زار آتش

ہوا: خواہش۔ پروانہ زار: جہاں بہت سے پروانے جمع ہوں یعنی اپنے پروں کو جلا جلا کر اپنی ہستی کو پھونک رہے ہوں۔ پروانہ کی خواہش دلوں پر برقِ خرمن کا کام کرتی ہے۔ آگ کو دیکھو اس نے شعلے کے پروں سے اُڑنا چاہا اور پروانے کی طرح جل پھنک کر رہ گئی اور آخر کار ختم ہو گئی۔ شعلے کو پروانہ قرار دیا ہے۔ کسی چیز کو جلایا جائے تو شعلے بھڑکنے کے بعد آگ خاموش ہی ہو جاتی ہے۔ جب تک شعلہ نہیں نکلتا آہستہ آہستہ آگ سلگتی رہتی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اونچی اونچی خواہشات کا انجام تباہی ہوتا ہے۔

نہیں برق و شرر جز وحشت و ضبطِ تپیدن ہا
بلا گردانِ بے پروا خرامی ہائے یار آتش

بلاگرداں: تصدق ہونے والی یعنی عاشق۔ آگ یار کے بے پروا چلنے کے انداز کی عاشق ہے برق و شرر آگ کی وحشت و ضبطِ تپیدن کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی آگ اس طرح تڑپ رہی ہے کہ کبھی جوشِ وحشت میں ظاہر ہوتی ہے کبھی بجھ جاتی ہے۔ یہی عمل برق اور شرر کرتے ہیں۔ یہ گویا آگ کی تڑپ کا مظاہرہ ہیں۔ آگ کی تڑپ یار کی چال کے عشق کی وجہ سے ہے۔

دھوئیں سے آگ کے اک ابرِ دریا بار ہو پیدا
اسدؔ حیدر پرستوں سے اگر ہووے دوچار آتش

اسدؔ اگر حضرت علیؓ کی پرستش کرنے والوں سے آگ مقابلہ کرے تو حبِ علی یہ اثر دکھائے کہ

آگ میں سے دھواں نکل کر بادل بن جائے اور اتنی بارش کرے کہ دریا بہہ جائے اور آگ بجھ جائے

(۹۴)

باقلیمِ سخن ہے جلوۂ گردِ سوادِ آتش
کہ ہے دودِ چراغاں سے ہیولائے مدادِ آتش

شاعر رات کو دیر تک چراغ جلا کر فکرِ سخن کرتا ہے۔ غالب نے ایک اور جگہ کہا ہے ع تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔ گرد سواد: کسی شہر کے نواح کی گرد۔ شاعری کے ملک میں آگ (چراغ کی لو) منزلِ مقصود کے نواح کی نشان دہ ہے۔ شاعر رات کو جو چراغ جلا کر بیٹھتا ہے اس کا دھواں اس کی دوات کی روشنائی بن جاتا ہے۔ یعنی رات کو دیر تک چراغ جلا کر سوچتے رہیے مضمون تک رسائی ہو جائے گی۔ اس طرح آگ اور سخن کا تعلق ثابت ہو گیا۔

اگر مضموں خاکستر کرے دیباچہ آرائی
نہ باندھے شعلۂ جوالہ غیر از گردبادِ آتش

دوسرے مصرع کی نثر ہوگی آتش غیر از گردباد (اور کوئی) شعلۂ جوالہ نہ باندھے۔ باندھنے سے مراد شعر میں مضمون باندھنا ہے۔ شعلۂ جوالہ: کسی لکڑی کے سرے پر کپڑا باندھ کر جلایا جائے اور لکڑی کو گھمایا جائے تو شعلے کا دائرہ شعلۂ جوالہ ہے اس شعر میں آتش کو ایک شاعر سمجھ لیا گیا ہے جو دیوان مرتب کر رہا ہے۔ اگر اس کے دیباچہ میں خاکستر کے مضامین لکھے جائیں تو متن میں شعلۂ جوالہ کا ذکر کہیں نہ ہوگا گردباد ہی کا ذکر ہوگا۔ شعلۂ جوالہ میں آگ گھومتی ہے گردباد میں خاک (یا خاکستر)۔ چونکہ غالب کے دیوان میں شعلۂ جوالہ کا ذکر بہت سے اشعار میں آیا ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ شعر کا ایک لازمی مضمون ہے۔ دیباچے کی مناسبت سے متنِ کلام میں شعلۂ جوالہ کا نعم البدل گردباد ہی ہوگا۔

کرے ہے لطفِ اندازِ برہنہ گوئی خوباں
بہ تقریبِ نگارش ہائے سطرِ شعلہ یادِ آتش

برہنہ گوئی: کھری کھری کہنا۔ حسین لوگ بڑی تیز جلا دینے والی باتیں کرتے ہیں۔ آگ نے جب شعلے کی سطریں لکھنی چاہیں تو اسے حسینوں کی کھری کھری باتوں کی گرمی یاد آگئی کیونکہ ان میں آگ سے کم گرمی نہ تھی۔ شعلے کی سطریں لکھنا: شعلہ روشن کرنا۔

دیا داغِ جگر کو آہ نے سامانِ شگفتن کا
نہ ہو بالیدہ غیر از جنبشِ دامانِ بادِ آتش

آہ سے داغِ جگر شگفتہ ہو گیا۔ داغ آگ ہے اور آہ ہوا۔ آگ ہوا کی جنبشِ دامن کے

~~ہے اسد قدرت سے حیدر کی ہوئی ہر گبر و ترسا کو شرارِ سنگ بت ہی بر بنائے اعتقادِ آتش~~

گبر و ترسا: آتش پرست۔ اس شعر میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ بت پرست بھی ہیں اور آتش پرست بھی۔ اسد حضرت علی کی قدرت سے گبر و ترسا کے بتوں سے شرارِ سنگ نکلا اور وہی شرار گبر و ترسا کو جلانے کیلئے آگ ہو گیا۔

(ع)

(۹۵)

شمع ہے بزم انگشتِ تحیر در دہن
شعلۂ آوازِ خوباں پر بہ ہنگامِ سماع

محفل میں جب خوبرو گاتے ہیں تو ان کی آواز کی گرمی پر بزم انگشتِ تحیر در دہن ہو جاتی ہے۔ انگشتِ تحیر در دہن محاورہ ہے جس کے لفظی معنی ہیں حیرت کی انگلی منہ میں رکھنا اور یہ عمل واقعی حیرت کی نشانی ہے۔ شمع کی مماثلت انگلی سے ہے گویا یہ بزم کی انگشتِ حیرت ہے۔ سماع معرفت کی موسیقی سننے کو کہتے ہیں۔

جوں پرِ طاؤس جوہر تختہ مشقِ رنگ ہے
بسکہ ہے وہ قبلۂ آئینہ محوِ اختراع

پرِ طاؤس غالب کے شعر میں رنگینیوں کا نمائندہ ہے۔ تختۂ مشق: مصور کا وہ تختۂ کاغذ جس پر نقش گری کی جائے۔ قبلۂ آئینہ: محبوب چونکہ وہی آئینے کا مقصود ہے جس طرح مصور ایک کاغذ کو سامنے رکھ کر طرح طرح کے رنگوں سے کوئی نقش اختراع کرتا ہے جو پرِ طاؤس کی طرح رنگین ہوتا ہے اسی طرح محبوب آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنی صورت میں طرح طرح کی رنگینیوں کی اختراع کر رہا ہے جس کی وجہ سے آئینہ کا جوہر یعنی خود آئینہ تختۂ رنگ اور پرِ طاؤس معلوم ہو رہا ہے۔

رنجشِ حیرت سرشتاں سینہ صافی پیشکش
جوہرِ آئینہ ہے یاں گردِ میدانِ نزاع

رنجش: آزردگی۔ حیرت سرشتاں: صوفی حضرات جو معرفت کے راستے میں حیرت سے

دوچار ہیں۔ سینہ صافی : دلوں میں نفاق کا نہ ہونا۔ جوہرِ آئینہ : فولادی آئینہ کا وہ جوہر جو ذرات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ شعر کی توسیع شدہ نثر یہ ہوگی۔ حیرت سرشتوں کی رنجش سینہ صافی کی پیش کش رکھتی ہے۔ ان کے میدانِ نزاع کی گرد جوہرِ آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے۔ مُراد یہ ہے کہ عرفا ایک دوسرے سے آزردہ بھی ہو جائیں تو بھی اُن کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف رہتے ہیں۔ حریفوں کے میدانِ جنگ میں گرد اُٹھتی ہے۔ صوفیا کے میدانِ نزع کی گرد جوہرِ آئینہ کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی وہ سینہ صافی رہتی ہے آئینہ حیران بھی ہوتا ہے اور صاف دل بھی۔

چار سوئے دہر میں بازارِ غفلت گرم ہے
عقل کے نقصان سے اُٹھتا ہے خیالِ انتفاع

انتفاع : نفع۔ دُنیا میں ہر طرف غفلت کا دور دورہ ہے لوگ عقل سے کام نہیں لے رہے۔ عقل کے نقصان یعنی بے عقلی کی باتوں میں وہ نفع سمجھتے ہیں۔ نفع کا خیال کس زمین سے پیدا ہوتا ہے؟ عدمِ عقل یعنی غفلت سے اور یہ کوتاہ اندیشی ہے۔

آشنا غالبؔ نہیں ہیں دردِ دل کے آشنا
ورنہ کس کو میرے افسانے کی تابِ استماع

غالبؔ دوست میرے دردِ دل سے واقف نہیں ورنہ میرا افسانہ یوں آسانی سے نہ سُن لیتے۔ اُنہیں اس کا درد نظر نہ آیا۔ اس افسانے کے سننے کی تاب کیسے ہو سکتی ہے۔

(غ)

(۹)

عشّاق اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ
دیتا ہے اور، جوں گل و شبنم بہار داغ

عاشق آنسو بہا بہا کر داغِ عشق کو ہزار دھونا چاہیں لیکن اس سے داغ پھول اور شبنم کی طرح اور بہار دیتا ہے یعنی اور چمک اُٹھتا ہے گل و شبنم : جیسے پھول پر اوس ڈالی جائے۔ چاہا تھا کہ رونے سے دل کا رنج ہلکا ہو جائے گا لیکن وہ اور تیز ہو گیا۔

جوں چشم باز ماندہ ہے ہر یک برسوئے دل
رکھتا ہے داغِ تازہ کا یاں انتظار داغ

جیسے کُھلی آنکھ کسی چیز کی طرف دیکھے اسی طرح میرا ہر داغ دل کی طرف دیکھتا ہے کُھلی آنکھ نشانی ہے کسی کے انتظار کی۔ یہ داغ بھی نئے داغ کا منتظر ہے اس لئے کُھلی آنکھ سے مشابہ ہے۔ نیا داغ دل کی طرف سے آئے گا یا دل پر پڑے گا اس لئے پُرانا داغ دل کو تاک رہا ہے

بے لالہ عارضاں مجھے گلگشتِ باغ میں
دیتی ہے، گرمیِ گل و بلبل، ہزار داغ

لالہ عارضاں : حسین۔ گرمی : عشق بازی۔ حسینوں کے بغیر اگر میں باغ میں ٹہلنے جاتا ہوں تو گل و بلبل کے معاشقے سے مجھے بہت رنجِ محرومی ہوتا ہے۔

جوں اعتمادِ نامہ و خط کا ہو مہر سے
یوں عاشقوں میں ہے سببِ اعتبار داغ

جیسے چٹھی پر مہر لگی ہو تو اس کی صحت میں یقین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عاشقوں کے داغ لگا ہو تو اُنہیں بڑا عاشق مانا جاتا ہے۔ شدتِ جذبہ میں کوئی چیز آگ میں گرم کر کے اپنے جسم پر لگا دی جائے تو اس سے جو داغ پیدا ہو گا۔ وہ داغِ عشق ہو گا۔

ہوتے ہیں محو جلوۂ خور سے ستارگاں
دیکھ اس کو دل سے مٹ گئے بے اختیار داغ

کسی کی طرف سے دل میں داغ ہونا محاورہ ہے شکوہ شکایت ہونے کے معنی میں یہاں اسے لفظی معنی میں لے لیا گیا ہے جس طرح سورج کے نکلنے پر ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محبوب کو دیکھ کر دل کے سب داغ جاتے رہے یعنی کوئی شکایت باقی نہ رہی۔ داغوں کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے۔

وقتِ خیالِ جلوۂ حُسنِ بتاں اسدؔ
دکھلائے ہے مجھے دو جہاں لالہ زار داغ

جب میں حسینوں کا خیال کرتا ہوں تو میرا داغِ دل دُنیا بھر کے باغوں کی کیفیت دکھا دیتا ہے۔ لالہ کے پھول میں داغ ہوتا ہے اس لئے داغ سے لالہ زار کی تخلیق کی۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کے حُسن کے تصور کے وقت ہر قسم کے باغ مجھے محض داغ نظر آتے ہیں کیونکہ حسنِ بتاں زیادہ دلکش ہے۔ لیکن ترجیح پہلے معانی کو ہے۔

(۹۷)

بلبلوں کو دور سے کرتا ہے منعِ بارِ باغ
ہے زبانِ پاسبانِ خارِ سرِ دیوارِ باغ

بار: باریابی۔ باغ یا کسی احاطے کی فصیل نیچی ہوتی ہے تو اس کے اوپر کانٹے رکھ دیئے جاتے ہیں تاکہ دیوار پر چڑھ کر بکریاں وغیرہ اندر نہ جا سکیں۔ باغ کا چوکیدار ہانک لگا کر دور ہی سے بلبلوں کو اڑا دیتا ہے تاکہ وہ باغ میں داخل نہ ہو سکیں۔ گویا وہ زبان سے دیوار کے کانٹوں کا کام لے رہا ہے۔

کون آیا جو چمن بے تابِ استقبال ہے
جنبشِ موجِ صبا ہے شوخیِ رفتارِ باغ

باغ میں ہوا کا چلنا دراصل باغ کا شوخی کے ساتھ رواں ہو جانا ہے۔ باغ میں کون حسین آیا ہے جس کے استقبال کیلئے خود باغ بے تاب ہو گیا۔

میں ہمہ حیرت، جنوں بے تابِ دورانِ خمار
مردمِ چشمِ تماشا، نقطۂ پرکارِ داغ

جنوں بے تابِ دورانِ خمار' کا تجزیہ جنوں (بے تابِ دورانِ خمار) کر کے ہیں (جنوں بے تاب) دورانِ خمار کروں گا۔ جنوں۔ بے تاب: وہ شخص جو جنوں کی وجہ سے بے تاب ہو۔ دورانِ خمار خمار کا پیدا کیا ہوا دورانِ سر۔ جنوں بے تابِ دورانِ خمار: خمار کی پریشانی سے جنون و اضطراب پیدا ہونا۔ دائرے کے مرکز میں پرکار کا ایک بازو رہتا ہے اور دوسرا بازو گھوم کر پورا دائرہ بنا دیتا ہے۔ جس طرح مرکزی نقطہ دائرے کا مرکز ہوتا ہے اسی طرح میری دیکھنے والی آنکھ کی پتلی باغ کے دائرے کا مرکزی نقطہ ہے یعنی میں باغ میں گیا اور سارے باغ کو نگاہوں کے دائرے میں لے لیا۔ اس عمل کے دوران میں ہمہ حیرت ہو گیا اور باغ کے مشاہدے سے مجھ پر ایک جنون و اضطراب کا عالم ہوا۔ عاشقِ ہجراں زدہ پر باغ و بہار کا ردِ عمل اسی قسم کا ہوتا ہے۔ حسین مناظر محبوب کی یاد دلاتے ہیں اور اس کی عدم موجودگی کا احساس تیز تر کر دیتے ہیں۔

آتشِ رنگِ رخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ
ہے دمِ سردِ صبا سے گرمیِ بازارِ باغ

ٹھنڈی ہوا سے باغ میں رونق ہے اس سے ہر پھول کے رنگ کی آگ تیز ہوتی ہے۔ آگ ہوا سے بھڑکتی ہے دمِ سرد اور گرمیِ بازار میں تضاد ہے۔

کون گل سے ضعفِ خاموشیِ بلبل کہہ سکے — نے زبانِ غنچہ گویا نے زبانِ خارِ باغ

بلبل کمزور ہے خاموش ہے۔ اس کی اس حالت کو پھول سے کون کہے۔ پھول کے ہم نشین غنچے ہیں اور کانٹے ہیں۔ دونوں کی زبانیں بند ہیں بول نہیں سکتے۔ غنچہ چونکہ بند ہوتا ہے اس لیے اس کا دہن بند باندھا جاتا ہے۔ شعر میں ایک اور مناسبت ہے غنچہ اور خاموشی میں اور خار اور ضعف میں۔

جوشِ گل کرتا ہے استقبالِ تحریرِ اسد
زیرِ مشقِ شعر ہے نقش از پئے احضارِ باغ

زیرِ مشق: وہ چمڑا یا وصلی جسے لکھنے کی مشق کرتے وقت کاغذ کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ احضار: حاضر کرنا۔ بلبلی کا حکم نامہ پھول اسد کے اشعار کی تحریر کا استقبال کرتے ہیں۔ اس کے اشعار کے صفحہ کا زیرِ مشق ایسا نقشِ افسوں ہے جس کے اثر سے باغ فوراً آ حاضر ہوتا ہے۔ باغ کا آنا گویا استقبال کیلئے آنا ہے۔ یعنی اسد کے شعر پھولوں کے کھلنے سے زیادہ دلکش ہیں۔

(ف)

(۹۸)

نامہ بھی لکھتے ہو تو بہ خطِ غبار حیف
رکھتے ہو مجھ سے اتنی کدورت ہزار حیف

خطِ غبار۔ ایک آرائشی خط ہے جس میں حروف کو جلی لکھ کر ان کے چوکھٹے میں نقطے بھر دیتے ہیں۔ دل میں غبار ہونے کے معنی کدورت یا آزردگی رکھنے کے ہیں۔ لفظِ غبار ہی پر شعر کا مضمون منحصر ہے۔ مجھے خط لکھتے ہو تو خطِ غبار میں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں میری طرف سے غبار بھرا ہوا ہے۔

گل چہرہ ہے کسی خفقانی مزاج کا
گھبرا رہی ہے بیمِ خزاں سے بہار حیف

خفقاں: سودا۔ پھول کسی سودائی کا چہرہ معلوم ہوتا ہے۔ سودا و جنوں میں چہرے پر سرخی آجاتی ہے۔ اس لئے پھول خفقانی مزاج ہوا۔ بہار خزاں کے ڈر سے گھبرا رہی ہے اور اس کی اس گھبراہٹ کا اظہار پھول کے سودائی چہرے سے ہو رہا ہے۔

تھی میرے ہی جلانے کو اے آہ شعلہ ریز
گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار حیف

اے میری شعلہ برسانے والی آہ تو نے مجھ ہی کو جلایا۔ رقیب کے گھر کو نہ جلایا۔

ہیں میری مشتِ خاک سے اس کو کدورتیں
پائی جگہ بھی دل میں، تو ہو کر غبار حیف

میں مر کر خاک ہو گیا لیکن اسے ہمیشہ میری طرف سے کدورت رہی۔ اس نے مجھے کبھی دل میں جگہ نہ دی۔ مرنے پر جگہ بھی دی تو دل میں غبار کی صورت میں یعنی اسے میرا خیال آتا ہے تو شکوہ شکایت کے ساتھ۔

بیش از نفس بتاں کے کرم نے وفا نہ کی
تھا محملِ نگاہ بہ دوشِ شرار حیف

حسینوں نے مجھ پر کرم کیا تو محض ایک سانس کی مدت یعنی ایک لمحے کیلئے۔ انہوں نے مجھ پر نگاہ کی لیکن ان کی نگاہ کا محمل شرار کے کندھوں پر سوار تھا یعنی شرر جتنی تھوڑی دیر کیلئے چمکتا ہے اتنی سی دیر کیلئے انھوں نے میری سمت نگاہ کی۔ نگاہ اور شرار کی مناسبت سے یہ بھی اشارہ ہے کہ نگاہ میں جلا دینے والی کیفیت تھی۔

بنتا اسدؔ میں سرمۂ چشم رکاب یار
آیا نہ میری خاک پہ وہ شہسوار حیف

محبوب کو شہسوار کہا ہے۔ میں مر کر خاک ہو گیا۔ اگر محبوب گھوڑے پر بیٹھ کر میری خاک پر آتا تو میں رکاب کی آنکھ میں سرمہ بن جاتا۔ رکاب کے حلقے کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ پاسِ ادب یہ ہے کہ خاک محض رکاب تک پہنچے گی جو پاؤں رکھنے کا مقام ہے۔

(۹۹)

عیسیٰ مہرباں ہے شفا ریز یک طرف
درد آفریں ہے طبعِ الم خیز یک طرف

ایک طرف عیسیٰ مہربانی کر کے مجھے شفا دینے کی کوشش کر رہے ہیں دوسری طرف میری رنجیدہ طبیعت درد پیدا کر رہی ہے۔

سنجیدنی ہے ایک طرف رنجِ کوہکن
خوابِ گرانِ خسرو پرویز یک طرف

دو چیزوں کا مقابلہ ہے انھیں باہم تولنا ہے ایک طرف پہاڑ کھودنے والے فرہاد کی تکلیف ہے۔ دوسری طرف محبوبہ کے شوہر خسرو پرویز کی شدید غفلت ہے جو اس نے وعدہ کرنے کے باوجود فرہاد کی طرف سے روا رکھی ہے۔

خرمن بر باد دادۂ دعویٰ ہیں، جو سو ہو۔

ہم یک طرف ہیں۔ برقِ شرر بیز یک طرف

بر باد دادن: نیست و نابود کرنا۔ خرمن بر باد دادۂ دعویٰ: جو دعوے کی خاطر خرمن تباہ کر چکا ہو۔ ہم نے دعویٰ کیا کہ ہم برق کو خاطر میں نہیں لائیں گے ہم اس دعوے کی پچ کی خاطر اپنے تمام خرمن کی بازی لگا چکے ہیں۔ اسے نیست و نابود کرنے کو تیار ہیں ایک طرف ہم ہیں دوسری طرف چنگاریاں برسانے والی بجلی۔ اسے جو کچھ کرنا ہو کر گزرے ہم جھکنے والے نہیں۔

ہر مو بدن پہ ششہ پر پرواز ہے مجھے
بے تابیِ دلِ تپش انگیز یک طرف

بے چینی کی وجہ سے میرے بدن پر ہر بال مجھے اڑائے دے رہا ہے۔ جیسے یہ کوئی شہپر ہو۔ دوسری طرف دل کی بے تابی اور تپش ہے۔

مفتِ دل و جگر انطلش غمزہ ہائے ناز
کاوش فروشیِ مژۂ تیز یک طرف

ناز کے غمزے میرے دل و جگر میں چبھن پیدا کر رہے ہیں اور محبوب کی پلکیں کاوش فروشی کر رہی ہیں۔ کاوش: کھود کرید۔ مفت: کسی چیز کا بغیر قیمت یا محنت کے حاصل ہونا۔

یک جانب، اے اسدؔ شبِ فرقت کا بیم ہے
دامِ ہوس ہے زلفِ دلاویز یک طرف

اے اسدؔ مجھے ایک طرف تو یہ خوف ہے کہ عشق کیا تو کبھی نہ کبھی فرقت میں مبتلا ہونا پڑے گا دوسری طرف کسی حسین کی دلکش زلف میری ہوس پر دام ڈال رہی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ زلف کا ہو کر رہ جاؤں۔

(ک)

(۱۰۰)

اس عمل میں عیش کی لذت نہیں ملتی اسدؔ
زور نسبت مے سے رکھتا ہے نصارا کا نمک

اس عمل سے مراد مے نوشی کا عمل ہے لیکن نصارا کا نمک سے کیا مراد ہے یہ واضح نہیں میں مالک رام صاحب اور قاضی عبدالودود صاحب سے ملا اور اس ترکیب کے معنی دریافت

سکے۔ انھیں بھی علم نہ تھا۔ عرشی صاحب نے اس شعر کے یہ معنی لکھ کر بھیجے ہیں۔

(۱) "نصارا کا نمک سے مراد وہ پنشن ہے جو غالب کو ملا کرتی تھی۔ وہ بہت مختصر تھی اس لئے غالب کیلئے ناممکن تھا کہ اس سے مے نوشی کا خاطر خواہ سامان کرسکیں تو گویا نصارا کا نمک جو یہ کھاتے تھے وہ بجائے لذتِ عیش کو بڑھانے کے وہ کام کرتا تھا جو شراب میں نمک ڈالنے سے ہوجاتا ہے یعنی اس سے شراب کا سکر (نشہ) ختم ہوجاتا ہے اور وہ سرکے میں تبدیل ہوجاتی ہے"

اچھی خاصی تشریح ہے لیکن اس میں تھوڑی سی قباحت یہ ہے کہ یہ شعر نسخۂ بھوپال کا ہے یعنی ۱۸۲۱ء سے پہلے کا اس وقت تک غالب کو براہِ راست انگریزوں سے پنشن نہ ملتی تھی۔ ان کی آمدنی کے کئی ذرائع تھے اس لئے بہت شبہ ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کی نمک خواری کا شکوہ کریں۔ ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں۔

(۲) نصارا کا نمک سے مراد عیسائی حسیناؤں کا نمکِ حسن ہے۔ غالب نے بعد میں کلکتے میں تو میموں کے حسن پر بڑی للچائی نظر ڈالی ہے جیسا کہ ان کی فارسی مثنوی سے معلوم ہوتا ہے یقینی ہے کہ دہلی میں بھی کچھ انگریز حسینائیں دیکھی ہوں گی۔ قباحت یہ ہے کہ ان کے حسنِ صبیح میں ملاحت کہاں۔ بہرحال۔ مے نوشی کے عمل میں مجھے لذت نہیں ملتی تاوقتیکہ کوئی نمکین نقل ساتھ نہ ہو۔ نمکِ حسینانِ نصارا کا نقل شراب سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہ نمک مے نوشی کا ساتھ دینے کو میسّر آجائے تو عیش کی لذت مل جائے۔

(۱۰۱)

تاقیامت شبِ فرقت میں گزر جائے گی عمر
سات دن ہم پہ بھی بھاری ہیں سحر ہونے تک

ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں گویا عمر سات دنوں (اتوار، سوموار، منگل وغیرہ) پر مشتمل ہے۔ قیامت تک تو محبوب کا دیدار ہوگا نہیں اس لئے شبِ فرقت کا عالم رہے گا۔ قیامت میں جاکر شبِ فرقت ختم ہوگی اور ہمارے لئے صبح ہوگی۔ اُس صبح تک زندگی کے جو سات دن ہیں وہ ہم پر بھاری ہیں۔

(۱۰۲)

آتے ہیں پارہ ہائے جگر درمیانِ اشک
لایا ہے لعلِ بیش بہا کاروانِ اشک

آنسوؤں کے ساتھ ساتھ جگر کے ٹکڑے آرہے ہیں۔ یہ لعل کی طرح ہیں۔ اس طرح آنسو اس

تجارتی قافلے کی طرح ہیں جو لعل فروخت کرنے کو لایا ہو۔

ظاہر کرے ہے جنبشِ مژگاں سے مدّعا
طفلانہ ہاتھ کا ہے اشارہ، زبانِ اشک

طفلِ اشک ایک مشہور ترکیب ہے۔ چھوٹے بچے بولنا نہیں جانتے اور ہاتھوں کے اشارے سے کام لیتا ہیں۔ یہی اشارے ان کی زبان ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے طفلِ اشک پلکوں کی جنبش سے اپنا مدّعا ظاہر کرتا ہے۔ اس کے پاس زبان نہیں اس لئے جنبشِ مژگاں اس کے ہاتھ کے اشارے ہیں

میں وادیٔ طلب میں ہوا جملہ تن عرق
از بسکہ صرفِ قطرہ زنی تھا بسانِ اشک

قطرہ زنی: دوڑنا۔ میں طلب کی وادی میں آنسو کی طرح دوڑا اور دوڑتے دوڑتے پورا پورا پسینہ ہوگیا۔ آنسو بھی جملہ تن عرق ہوتا ہے۔ آنسو کی تشبیہ کے ساتھ قطرہ زنی کا لفظ خوب ہے۔

رونے نے طاقت اتنی نہ چھوڑی کہ ایک بار
مژگاں کو دوں فشارِ پئے امتحانِ اشک

رونے نے مجھے اتنا نحیف کردیا کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ پلکوں کو جھٹک کر یا نچوڑ کر دیکھوں آیا ان میں آنسو کی بوند موجود ہے یا نہیں؟

دل خستگاں کو ہے طربِ صد چمن بہار
باغِ بہ خوں تپیدن و آبِ روانِ اشک

زخمی دل والے عشاق خون میں لوٹنے کو باغ اور آنسوؤں کے بہنے کو آبِ رواں سمجھتے ہیں۔ ان کیلئے یہ چیزیں سو باغوں کی بہار کی خوشی کے برابر ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی باغ و بہار ان کے نصیب میں نہیں "صد چمن بہار" میں "صد چمن" مقداری فقرہ ہے جو بہار کی کثرت دکھانے کیلئے آیا ہے یعنی بہت وسیع بہار۔

سیلِ بنائے ہستیٔ شبنم ہے آفتاب
چھوڑے نہ چشم میں تپشِ دل، نشانِ اشک

سیلِ بنا: وہ پانی کا دھارا جو کسی مکان کی بنیاد سے ٹکرا رہا ہو یعنی غارت کرنے والا اوس کی ہستی کو سورج غارت کردیتا ہے۔ دل کی گرمی آنکھ میں آنسو کا نشان نہ چھوڑے گی کیونکہ یہ گرمی سورج کی طرح ہے اور آنسو اوس کی طرح۔

ہنگامِ انتظارِ قدومِ بتاں، اسدؔ
ہے بر سرِ مژہ نگراں، دیدبانِ اشک

دیدبان: جاسوس۔ نظرباز۔ جب ہم بتوں کے قدم رنجہ کرنے کا انتظار کرتے ہیں تو ہماری پلک پر آنسو کا دیدبان نگرانی کرتا رہتا ہے۔ یعنی حسینوں کے انتظار میں ہماری آنکھ اشک آلودہ ہو جاتی ہے۔

(گ)

(۱۰۴)

اے آرزو شہیدِ وفا خوں بہا نہ مانگ
جز بہرِ دست و بازوئے قاتل دعا نہ مانگ

آرزو شہید: شہیدِ آرزو۔ آرزو شہیدِ وفا: شہیدِ آرزوئے وفا یعنی وہ شخص جسے حسرت رہی کہ محبوب اس کے ساتھ وفا کرے اور جو آخر کار اس کی بے وفائی کو دیکھ کر شہید ہو گیا۔ ایسے شخص سے کہا ہے کہ تو خوں بہا نہ مانگ بلکہ یہ دعا کر کہ قاتل کے دست و بازو اور توانا ہوں جن سے وہ مجھے بار بار شہید کر سکے۔ آسیؔ نے شعر کا مخاطب آرزو کو قرار دیا ہے اور شہیدِ وفا اس کی صفت مانی ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ آرزو شہید ایک مرکب ہے۔ جو عاشق کیلئے آیا ہے۔

گستاخیِ وصال ہے مشّاطۂ نیاز
یعنی، دعا بجز خمِ زلفِ دوتا نہ مانگ

وصال عاشق کے جذبۂ نیاز کو سنوارتا یعنی بیدار کرتا ہے۔ اے عاشق تو صرف یہ دُعا مانگ کہ محبوب کی زلف میں اور خم پڑیں یعنی وہ اور سنور جائے اور یہ خمِ زلف تیرے قبضے میں آجائے تاکہ وصال کے تجربے سے تیرا نیاز و عجز اور بالیدہ ہو جائے۔ زلفِ دوتا: خم شدہ زلف۔

عیسیٰ طلسمِ حسن تغافل ہے زینہار
جز پشتِ چشم، نسخۂ عرضِ دوا مانگ

پشتِ چشم: غرور کی وجہ سے نگاہ نہ کرنا۔ عیسیٰ کسی حسین کا علاج کرنے کو گئے ہیں لیکن وہ توجہ ہی نہیں کرتا اُنھیں عرضِ دوا کا موقع ہی نہیں دیتا۔ اے عیسیٰ تیرا سامنا تغافل کے طلسم سے ہے۔ تو ایسی ترکیب چاہتا ہے کہ اپنی مجوزہ دوا عرض کرنے کا موقع

مل جائے لیکن یہ نہ ہوگا۔ تو اس کی پشتِ چشم کے سوا اور کچھ نہ مانگ، کچھ توقع نہ رکھ۔ اس کی آنکھ تیری طرف سے پیٹھ موڑے رہے گی۔ آسیؔ نے اس شعر کی شرح میں، عیسیٰ کے بعد کا وقفہ حذف کر دیا ہے اور یہ معنی لکھے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام حسن تغافل کے طلسم ہیں۔ ان سے کسی دوا کی تمنا اور التجا نہ کر... ان سے صرف اسی بات کی استدعا کر کہ وہ آنکھ پھیر لیں اور واپس جائیں۔ اس نسخے کے سوائے اور کسی نسخے کی تمنا نہ رکھو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تجھ کو یہ بھی معلوم ہو کہ کسی سے کوئی کام نکل سکتا ہے۔ تب بھی کام نکلنے کی اُمید نہ رکھ۔ ہرگز وہ تیری تمنّا کے موافق نہ ہوگا۔

یہ تشریح بھی ممکن ہے گو میں پہلی تشریح کو ترجیح دوں گا۔

میں دور گردِ عرضِ رسومِ نیاز ہوں
دشمن سمجھ، و لے نگہِ آشنا نہ مانگ

میں رسمِ نیاز کی وجہ سے تجھ سے دور دور پھرتا ہوں۔ تیرے قرب میں آنے کی گستاخی نہ کروں گا۔ خواہ تو مجھے دشمن سمجھ بیٹھ لیکن مجھ سے یہ توقع نہ کر کہ میں پاس آکر تجھ پر نگاہِ آشنا ڈالوں گا اور اپنے نیاز کو رسوا کروں گا۔ یعنی ہم فرطِ نیاز و عجز کی وجہ سے تجھ سے دور ہیں۔

نظّارہ دیگر و دلِ خونیں نَفَس دگر
آئینہ دیکھ، جوہرِ برگِ حنا نہ مانگ

جوہرِ برگِ حنا سرخ رنگ یعنی خون ہے۔ محض نظارہ کرنا اور بات ہے کوئی بھی نظارہ کر سکتا ہے لیکن اس کے سینے میں خونیں نفس دل بھی ہو یہ مشکل بات ہے۔ آئینہ تیرا نظارہ کرتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس دل خوں بھی ہے اس کا جوہر سادہ سفید ہے اس سے جوہرِ سرخ کی توقع نہ کر یعنی ہر نظارہ کرنے والا عاشق جاں نثار نہیں ہوتا۔ نسخۂ شیرانی میں حنا کی جگہ دعا بنا دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک برگِ دعا، کا کوئی محل نہیں میں اس موقع پر نسخۂ شیرانی کی ترمیم کو سہو قرار دوں گا۔

یک بخت اوج، نذرِ سبک باری اسدؔ
سر پر وبالِ سایۂ بالِ ہما نہ مانگ

ہما کے پر کا سایہ پڑنے سے آدمی بادشاہ ہو جاتا ہے لیکن انگریزی کی ضرب المثل ہے کہ جس سر پر تاج ہوتا ہے اسے عدم سکون کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گویا سایۂ بالِ ہما ایک وبال ہے۔ اوج کی مقدار دکھانے کو غالبؔ نے "یک بخت" کی ترکیب اختراع کی ہے۔ ایک قسمت بھر بلندی، یعنی

بہت بلندی پسِ سبک باری: بوجھ کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا۔ بادشاہت بوجھ ہے۔ اسد نے قسمت کی بلندی کو سبک باری پر قربان کر دیا۔ نہ بادشاہ ہوگا نہ مصیبتوں میں پڑے گا۔ ذمہ داری کے بغیر ہلکا پھلکا چلے پھرے گا۔

(ل)

(۱۰۴)

بدر ہے آئینۂ طاقِ ہلال
غافلاں نقصاں سے پیدا ہے کمال

ہلال کی شکل طاق جیسی ہوتی ہے۔ طاق میں آئینہ رکھا جاتا ہے۔ بدر، ہلال سے پیدا ہوتا ہے گویا بدر ایسا آئینہ ہے جو ہلال کے طاق میں موجود ہے۔ اے غافلو دیکھو شروع میں کوئی ضعیف و نحیف ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اسی سے کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ ہلال نقصان یعنی کاہیدگی کی نشانی ہے اور بدر کمال یعنی تکمیل کی۔

ہے بہ یادِ زلفِ مشکیں سال و ماہ
روزِ روشن شامِ آں سوئے خیال

شامِ آں سوئے خیال: وہ شام جو تصور سے دوسری طرف ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی شام بہت دھندلی بلکہ تاریک اور سنسان ہوگی۔ میں سارے سال اور سارے مہینے سیاہ زلفوں کی یاد کرتا ہوں۔ اس کی یاد میں روشن دن مجھے خیال سے پرے کی رات کی طرح تاریک اور سنسان معلوم ہوتا ہے۔

بسکہ ہے اصلِ دمیدن ہا غبار
ہے نہالِ شکوۂ ریحاں، سفال

چونکہ چیزیں مٹی سے نشو و نما پاتی ہیں اسلئے ریحاں کو مٹی سے شکوہ ہے کہ تو نے مجھے بالیدہ نہیں کیا۔ مٹی ریحاں کے شکوہ سے نہال ہو گئی ہے یعنی متاعِ شکوہ سے بھرپور اللہ کامراں ہے نہال پر ایہام ہے ممکن ہے دوسرے مصرع کی قرات یوں ہو ع ہے نہالِ شکوہ، ریحانِ سفال۔ غزل ۱۰۶ میں غالب نے ریحانِ سفال کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ مٹی کے پھول شکوے سے نہال ہو گئے ہیں شکوہ یہ ہے کہ مٹی سے ہر چیز کی نشو و نما ہوتی ہے ہم مٹی سے بنے ہیں تو ہم کیوں نہیں پھولے۔

صفائی رخ سے تیرے ہنگامِ شب
عکسِ داغِ مہ ہوا عارض پہ خال

شعر کے دو معنی ہیں رات کے وقت تیرے چہرے کی صفائی سے گال پر تل ایسا معلوم ہوا جیسے عارض چاند ہے اور اس میں تل داغ ہے۔ دوسرے معنی ہیں کہ داغِ مہ کا عکس تیرے گال پر پڑا اور ایسا معلوم ہوا جیسا گال پر تِل ہو۔ اس طرح یہ دکھانا مقصود ہے کہ چاند پر داغ ہے۔ تیرے گال پر داغ نہیں۔

نور سے تیرے ہے اس کی روشنی
ورنہ تھا خورشید یک دستِ سوال

اے خدا سورج میں تیرے نور سے روشنی ہے۔ اس کے پاس اپنا کیا دھرا ہے۔ اس کی ہیئت ظاہری ہی سوال کے لئے پھیلائے ہوئے ہاتھ کی سی ہے یعنی اس کی متاع مانگے کا اُجالا ہے۔

شورِ حشر اس فتنہ قامت کے حضور
سایہ آسا ہوگیا ہے پائمال

جس طرح سایہ پاؤں میں پڑا رہتا ہے یعنی پامال ہوتا ہے اسی طرح محبوب کے فتنۂ قیامت کے سامنے شورِ حشر پامال ہو گیا۔ یعنی اس کا قد جتنا فتنہ بپا کرتا ہے قیامت نہیں کر سکتی۔

ہو جو بلبل پیروِ فکرِ رسا
غنچۂ منقارِ گل ہو زیرِ بال

منقارِ گل: گل میں گ پر زیر ہے "منقارِ گل" زبان کو کہتے ہیں۔ زیرِ بال: سو جانا، پرندے سوتے وقت سر کو پروں میں کر لیتے ہیں۔ اگر بلبل میری فکر کی تقلید کرے تو زبان کو پروں میں چھپا کر سو جائے یعنی ان خیالات کو ادا کرنے کی قدرت نہ رکھے اور خاموش رہ جائے۔

(۱۰۵)

ہر عضو غم سے ہے شکن آسا شکستہ دل
جوں زلفِ یار ہوں میں سراپا شکستہ دل

غم کی وجہ سے میرے بدن کا ہر عضو شکستہ دل ہو رہا ہے۔ جیسے کوئی شکن (مثلاً کپڑے کی شکن) ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہے اسی طرح عضو ٹوٹ رہے ہیں۔ میں یار کی زلف کی طرح دل شکستہ ہوں۔ زلفِ یار خم کی وجہ سے شکستہ ہوتی ہے۔

ہے سرنوشت میں رقمِ واشکستگی
ہوں جوں خطِ شکستہ بہ ہر جا شکستہ دل

واشکستگی: شکستہ دلی، خطِ شکست واقعی ٹوٹا ہوا ہو کہ نہ ہو پر نام کے اعتبار سے ضرور ٹوٹا ہوا ہے۔ میری قسمت میں شکست ہونا لکھا ہے۔ میں خطِ شکست کی طرح ہر جگہ شکستہ دل ہوں۔

امواج کی جو یہ شکنیں آشکار ہیں
ہیں چشمِ اشک ریز سے دریا شکستہ دل۔

میری آنسو بہانے والی آنکھ سے دریا ہار مان گئے۔ شکستہ دل ہو گئے اِن کی پیشانی پر غم کی شکنیں آ گئیں وہ شکنیں کون سی ہیں؟ دریا کی موجیں۔ آسی نے چشم کو دریا کی چشم قرار دیا ہے۔ میرے نزدیک اپنی چشم کا ذکر ہے۔

ناسازیِ نصیب، درشتیِ غم سے ہے
اُمید نا اُمید و تمنا شکستہ دل

غم کی سختی کی وجہ سے میری قسمت خراب ہے اُمید نا اُمید ہو گئی ہے اور تمنا کا دل ٹوٹ گیا ہے۔

ہے سنگِ ظلم چرخ سے میخانے میں اسد
صہبا فتادہ خاطر و مینا شکستہ دل

اسد میخانے میں آسمان نے ظلم کا پتھر مارا جس سے شراب کا دل گرا ہوا ہے اور بوتل کا دل ٹوٹ گیا۔ کوئی بوتل پر پتھر مارے تو بوتل ٹوٹ کر شراب گر جاتی ہے۔

(۱۰۹)

ہوں بہ وحشت انتظار آوارۂ دشتِ خیال
اک سفیدی مارتی ہے دور سے چشمِ غزال

انتظار آوارہ: انتظار میں ادھر اُدھر گھومنے والا۔ حسینوں کے انتظار میں مجھ پر ایک وحشت طاری ہو گئی ہے اور میں خیال میں آوارہ پھرتا ہوں۔ ہرن کی آنکھ کو وحشی کہا جاتا ہے میں دشتِ خیال میں اتنی دور نکل گیا ہوں کہ وحشی ہرن بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کی آنکھ دور سے ایک سفید دھبے کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

ہے نفس پروردۂ گلشن کس ہوائے بام کا
طوقِ قمری میں ہے، سروِ باغ ریحانِ سفال

دوسرے مصرع کی نثر ہے ع طوقِ قمری میں ریحانِ سفال سروِ باغ ہے۔ نفس پروردہ پرورش یافتہ۔ کس بام سے مراد محبوب کا بام ہے۔ ریحان ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے کہتے

ہیں کہ باغ میں کس بام کی ہواؤں سے تر و تازگی اور شادابی کا عالم ہے کہ طوقِ قمری جو قمری کے خاکستری رنگ کی وجہ سے مٹی کی بنی ہوئی گھاس معلوم ہوتا ہے۔ ہوائے بام کے اثر سے سرو کی طرح سر سبز ہے۔ طوقِ قمری: قمری کے گلے کا سیاہ دائرہ۔ پہلے اسے مٹی کی گھاس سے تشبیہہ دی بعد میں سرو سے۔ ظاہر ہے کہ دونوں تشبیہیں ناقص ہیں۔ قمری کو کفِ خاکستر کہا جاتا ہے۔ اس لئے طوق کو ریحانِ سفال کہا۔

ہم غلط سمجھے تھے لیکن زخمِ دل پر رحم کر
آخر اس پردے میں تو ہنستی تھی، اے صبحِ وصال

ہم کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ زخمِ دل کو زخم سمجھ کر اس کا علاج کر رہے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ اے صبحِ وصل یہ تیرا خندۂ دنداں نما ہے۔ صبحِ وصال وہ صبح ہے جس دن محبوب آ کر ملنے والا ہے صبحِ وصال سے درخواست کرتے ہیں کہ تو یہ رحم کرنا کہ مسرتوں سے میرے زخمِ دل کو مندمل نہ کر دینا۔ کیونکہ میرے لئے زخم صبح کی نشانی ہے۔ صبح بھی ایک قسم کی کشود ہے۔ "زخمِ دل پر رحم کر" کے سیدھے سادے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اب زخم کو چھوڑ دے اور اسے مندمل ہونے دے۔

بے کسی افسردہ ہوں اے ناتوانی کیا کروں
جلوۂ خورشید سے ہے گرم پہلوئے ہلال

پہلو گرم ہونا: گرم جوشی سے صحبت نشیں ہونا۔ اے ناتوانی میں بیکسی سے افسردہ ہوں۔ ہلال کو جلوۂ خورشید نصیب ہے لیکن میرا کوئی ساتھی کوئی مہرباں نہیں۔ ہلال بھی میری طرح ناتواں ہے لیکن اس کی پشت پر ایک بہت بڑی طاقت ہے۔

شکوہ درد و درد داغ، اے بے وفا معذور رکھ
خوں بہائے یک جہاں اُمید ہے تیرا خیال

اے بے وفا اگر ہم تیرا شکوہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں معذور رکھ کیونکہ شکوہ درد پیدا کرتا ہے، درد داغ دیتا ہے اور ہمیں داغ پسند ہے۔ تو نے ہماری اُمیدوں کا ایک جہان خون کیا ہے۔ ہم تجھ سے اس کا خوں بہا نہیں مانگتے کیونکہ ہم جو تجھ سے شکوہ کرتے ہیں اور اس وقت جو تیرا خیال آتا ہے وہ ہمیں داغ کی دولت دیتا ہے۔ اس طرح ہمیں خوں بہا مل جاتا ہے۔

عرضِ دردِ بے وفائی، وحشتِ اندیشہ ہے
خوں ہوا دل تا جگر، یا رب زبانِ شکوہ لال

تمہاری بے وفائی نے ہمارے دل و جگر میں جو درد پیدا کیا ہے اس کے اظہار کی بات سوچنے ہی سے فکر و ذہن میں وحشت پیدا ہوتی ہے۔ اتنا زیادہ درد کہاں تک بیان کریں گے دل سے جگر تک سب خون ہو گیا۔ کیا اچھا ہو کہ شکوہ کرنے والی زبان گونگی ہو جائے۔ لال: گونگی۔

اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسد
مالِ سنّی کو مباح اور خونِ صوفی کو حلال

چونکہ یہ ابتدائے عمر کا کلام ہے اس وقت تک غالباً غالب سنّی عقیدہ تھے شیعہ مسلک تصوف کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ غالب کہتے ہیں میں سنّی ہوں صوفی ہوں میرا محبوب شیعہ ہے جفا پیشہ ہے وہ سنّی کا مال اڑا لینے کو اور صوفیوں کی جان لینے کو حلال اور جائز سمجھتا ہے۔

(۱۰۷)

بہرِ عرضِ حال، شبنم ہے رقم ایجاد گل
ظاہر ہے اس چمن میں لالِ مادر زاد گل

رقم: تحریر۔ لال: گونگا۔ پھول پر شبنم کی بوندیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے صفحے پر کچھ لکھا ہو پھول ظاہراً پیدائشی گونگا ہے اس لئے اپنی حالت عرض کرنے کیلئے اس نے شبنم سے تحریر ایجاد کی یعنی لکھ کر حال پیش کیا۔

گر کرے انجام کو آغاز ہی میں یاد، گل
غنچے سے منقارِ بلبل وار ہو فریاد، گل

گل ہونا: ظاہر ہونا۔ پھول کا انجام پتیاں بکھر کر ختم ہو جانا ہے۔ اگر پھول شروع ہی میں یعنی غنچگی کے عالم ہی میں اپنے انجام کو یاد کرے تو غنچے سے بلبل کی چونچ کی طرح فریاد ظاہر ہو غنچے کی مشابہت منقار سے ہوتی ہے۔

گر بہ بزمِ باغ کھینچے نقش روئے یار کو
شمع ساں ہو جائے قطِ خامۂ بہزاد گل

گل کے معنی پھول بھی ہیں اور شمع کی جلی ہوئی بتی بھی۔ یہاں اس دو معنی پن کا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اگر بہزاد کا قلم یار کو باغ کی محفل میں بیٹھا ہوا دکھائے تو اس کے اثر سے اس کے قلم کا قط یعنی نوکِ قلم پھول بن جائے گا جیسا کہ شمع کے ساتھ ہوتا ہے۔ شمع کے سر پر بھی گل پیدا ہو جاتا ہے۔ غالب یہ بھول گئے ہیں کہ شمع کا گل ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ قلم کی نوک کو

گل اس کی ناپسندیدگی کی وجہ سے کہا گیا ہے آسی نے یہ معنی بھی درج کئے ہیں کہ قطِ خامہ پر شمع کا سا گل آ جائے یعنی قلم بیکار ہو جائے کیونکہ بہزاد محبوب کا نقش کھینچنے کے نا اہل ہے۔
پہلے مصرع کی شگفتہ فضا کے زیرِ نظر میں پہلی تشریح کو بہتر سمجھتا ہوں۔

دستِ رنگیں سے جو رخ پروا کرے زلفِ رسا
شاخِ گل میں ہو نہاں، جوں شانہ در شمشادِ گل

شمشاد کی لکڑی سے شانہ بنایا جاتا ہے اس لئے شانۂ شمشاد کہتے ہیں۔ اگر محبوب اپنے دستِ رنگیں سے لمبے بالوں کو چہرے پر کھول دے تو غیرت کے مارے پھول شاخِ گل میں اس طرح سما کر چھپ جائے گا جیسے شانہ شمشاد کی لکڑی کے اندر چھپا رہتا ہے۔ چونکہ شانہ وجود میں آنے سے پہلے شمشاد میں جذب رہتا ہے اس لئے گل کے شاخِ گل میں نہاں ہونے سے مراد شاخِ گل کے اندر ضم ہونا ہے لیکن اگر دستِ رنگیں پر زور دیا ہو تو نہاں ہونے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پھول شاخِ گل کے پتوں کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ اس صورت میں دستِ رنگیں کی فوقیت شاخِ گل پر اور رخ کی فوقیت گل پر ثابت ہو جائے گی۔

سعیِ عاشق ہے فروغ افزائے آبِ روئے کار
ہے شرارِ تیشہ، بہرِ تربتِ فرہاد گل

روئے کار: ریشمی یا دوسرے کپڑے کا سیدھا رخ۔ یہاں روئے کار سے مراد قبر کا بیرونی حصہ ہے۔ عاشق نے زندگی میں جس قدر جد و جہد کی ہے اسی کے تناسب سے اس کی قبر پر چمک اور روشنی ہوتی ہے یعنی مرنے کے بعد اس کا احترام ہوتا ہے۔ فرہاد کے تیشے سے جو شرار نکلا وہ اس کی محنت کی نشانی ہے۔ قبر پر گل چڑھانا کسی کا احترام کرنا ہے۔ فرہاد کے تیشے کی چنگاری اس کی قبر کا پھول بنے گی یعنی فرہاد نے جو جفاکشی کی ہے اس سے اس کا احترام و وقار بہت زیادہ بڑھ گیا۔

ہے تصور صافیِ قطعِ نظر از غیرِ یار
لختِ دل سے لا دے ہے شمعِ خیال آباد گل

صافی: صاف کرنے والا۔ قطعِ نظر: نظر کا قطعِ راہ کرنا یعنی نظارہ کرنے کا عمل۔ خیال آباد: خیالوں کی دنیا۔ گل لانا: شمع پر گل آنا۔ آسی نے گل کے معنی پھول سمجھ کر دوسرے مصرع کو پھول کے بارے میں قرار دیا۔ جو صحیح نہیں۔ تصور اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ نظر یار کے علاوہ کسی اور شے کو دیکھے تو تصور اس کی روک تھام کرے اور نظارے کی صفائی کرے۔ خیالوں کی دنیا

کی شمع پر جو گل ظاہر ہو رہا ہے اور جیسے کاٹ کاٹ کر نکالا جا رہا ہے وہ لختِ دل ہے یعنی آنکھوں کے راستے لختِ دل نکل رہے ہیں جس سے مسلسل تزکیۂ نفس ہو رہا ہے، گویا یہ لختِ دل گُل کی طرح محض گندگی تھے۔

گلشن آبادِ دلِ مجروح میں ہو جائے ہے
غنچۂ پیکان بشاخِ ناوکِ صیاد گل

میرا زخمی دل باغ کی طرح ہے۔ اس میں صیاد کے تیر کا پیکان آ کر لگتا ہے تو یہ پیکان جو بند غنچے کی طرح ہے دل کے خون سے پھول کی طرح بن جاتا ہے۔ دل خون اور زخم کی وجہ سے گلشن سے مشابہ کہا گیا ہے۔ غنچے کی رعایت سے ناوک کو شاخ قرار دیا ہے۔

برق سامانِ نظر ہے، جلوۂ بے باکِ حسن
شمعِ خلوت خانہ کیجئے ہر چہ بادا باد گل

محبوب کا بے جھجک جلوہ نظروں کو بجلی کی طرح چکا چوند کر دیتا ہے اور بجلی کی طرح گرتا ہے۔ اب جو کچھ بھی ہوا ہے خلوت خانے کی شمع بجھا دیجئے اور برقِ حسن پر اکتفا کیجئے۔

خاک ہے عرضِ بہارِ صد نگارستاں اسد
حسرتیں کرتی ہے میری خاطرِ آزاد گل

گل کردن: ظاہر شدن۔ عرضِ بہارِ صد نگارستان: سو باغوں کی بہار کا بیان کرنا۔ اے اسد میری طبیعت خاک ہنسی خوشی کے مضامین کا بیان کرتی۔ میری آزاد طبیعت تو حسرتوں کا اظہار کر رہی ہے۔ شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ خاکِ زمیں سو نگارستانوں کی بہار پیدا کرتی ہے لیکن میری طبیعت اس کے برعکس محض حسرتیں پیدا کرتی ہے۔ یہاں گل کرنے کے لفظ سے فائدہ اٹھایا ہے کہ کم از کم کہنے کی حد تک تو طبیعت حسرتوں کو گل کر رہی ہے۔

(۱۰۸)

گرچہ ہے یک بیضۂ طاؤس آسا تنگ دل
ہے چمن سرمایۂ بالیدنِ صد رنگ دل

اگرچہ دل بیضۂ طاؤس کی طرح تنگ ہے یعنی فی الحال ملول ہے لیکن دل ہی کے پاس ایسے باغوں کا سرمایہ ہے جن میں سینکڑوں رنگ ہیں۔ بیضۂ طاؤس میں سے بھی طاؤس پیدا ہوتا ہے جس میں متعدد رنگ ہوتے ہیں۔

بے دلوں سے ہے تپش جوں خواہشِ آب از سراب
ہے شرر موہوم، اگر رکھتا نہ ہووے سنگ، دل

تڑپ اور جلن بیدل عاشقوں کی بدولت موجود ہوتی ہے جس طرح پیاس سراب کی بدولت ہوتی ہے اگر پانی موجود ہو تو پیاس کیونکر رہ سکتی ہے۔ عاشق بے دل بڑے جیالے ہوتے ہیں وہ بلائیں اس طرح برداشت کرتے ہیں جیسے ان کے دل کی جگہ پتھر ہو۔ اگر دل میں پتھر نہ ہو تو چنگاری بھی نہیں نکل سکتی یعنی جفاکش دل نہ ہو تو تڑپ کس طرح ہو سکتی ہے۔

اس شعر کے ایک اور معنی بہت صاف ہیں۔ بے دل عاشقوں سے تپش کا مطالبہ اس طرح بے سود ہے جیسے سراب سے پانی کی خواہش کرنا۔ اگر کوئی پتھر دل نہ رکھتا ہو تو اس میں شرر بھی موجود نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی انسان دل نہیں رکھتا تو اس میں تپش کی چنگاری بھی نہ ہوگی۔ اس تشریح میں آخری مصرع کی نثر ہوگی "اگر سنگ، دل نہ رکھتا ہو" پہلی تشریح میں یہ ترتیب الٹ کر یوں فرض کی گئی تھی "اگر دل، سنگ نہ رکھتا ہو"۔

رشتۂ فہمید ممسک ہے بہ بند کوتہی — عقدۂ مساں ہے کیسۂ زر پر خیالِ تنگ دل

تنگ دل: کنجوس، ممسک۔ کنجوس آدمی کی عقل کا دھاگا کوتاہ ہوتا ہے۔ یعنی عقل کم ہوتی ہے۔ اس کا خیال روپیے کی تھیلی پر گرہ لگائے رہتا ہے تاکہ روپیہ محفوظ رہے اور اس تھیلی میں سے نکل نہ سکے۔ لیکن کوئی رشتہ گرہ لگاتا ہو تو اس کی لمبائی کم ہو جائے گی۔ کنجوس آدمی صرف روپے کے بارے میں سوچتا ہے اس لئے بقیہ سب امور میں وہ ناسمجھ ہو جاتا ہے۔

ہوا زپا افتادۂ اندازِ یادِ حسنِ سبز
کس قدر ہے نشہ فرسائے خمارِ بنگ دل

سبزہ رنگ: ملیح سانولے رنگ کو کہتے ہیں۔ حسنِ سبز اس حسن کو کہیں گے جس کا رنگ قدرے سانولا ہو۔ اردو میں کالا رنگ اور نیلے رنگ کیلئے سبز آتا ہے۔ زپا افتادہ کے معنی ہیں گرنا۔ مجھے سانولے حسن کی اداؤں کی یاد نے بالکل چت گرا دیا ہے۔ دل بھنگ کے خمار سے کتنا زیادہ نشے میں ہو گیا ہے۔ یادِ حسن میں نشے کی کیفیت ہوتی ہے۔ چونکہ حسن کو سبز کہا ہے اس لئے اسے بھنگ سے تشبیہ دی ہے کیونکہ بھنگ سبز رنگ کی ہوتی ہے۔ اس حسن کی یاد اس طرح پاؤں سے گھسیٹ کر گرا دیتی ہے جیسے نشے میں ہوا کرتا ہے۔

شوقِ بے پروا کے ہاتھوں قفلِ سازِ نادرست — کھینچتا ہے آج نالے خارجِ آہنگ، دل

جذبۂ عشق بے پروا کی وجہ سے میں عجیب بھونڈے طریقے سے نالے کر رہا ہوں۔ چونکہ شوقِ عشق لاابالی ہوتا ہے۔ اسے نالوں کے تال سُر سے کیا واسطہ۔

اے اسدؔ، خامش ہے طوطیٔ شکر گفتارِ طبع
ظاہر ارکھتا ہے آئینہ اسیرِ زنگ، دل

میری طبیعت میٹھی باتیں کرنے والی طوطی تھی لیکن آج خاموش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کے پاس جو آئینہ ہے اس پر زنگ لگ گیا ہے۔ لوہے کے آئینے پر زنگ لگتا ہے۔ زنگ لگنے کے بعد آئینہ ناصاف ہو جائے گا۔ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر بولنا سکھاتے تھے جب آئینہ زنگ خوردہ ہوگا تو اس کے سامنے طوطی شکر گفتار نہیں ہو سکتی۔

(۱۰۹)

دلِ دیوانگاں کا چارہ فروغِ بہار ہے
ہے شاخِ گل میں پنجۂ خوباں بجائے گل

دیوانے عاشقوں کا علاج بہار کے بڑھنے میں ہے یعنی یہ کہ جگہ جگہ پھول کھلیں۔ شاخِ گل میں جو پھول ہیں وہ حسینوں کے ہاتھ کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ دیوانوں کو حسینوں کا جلوہ دیکھنے سے راحت ہوگی اس لیے جتنے بھی پھول کھلیں گے ان کے حق میں اچھا ہے

مژگاں تلک رسائیٔ لختِ جگر کہاں ؟
اے وائے، اگر نگاہ نہ ہو آشنائے گل

روتے وقت جگر کے ٹکڑے آنسوؤں کے ساتھ پلک تک نہیں آتے۔ افسوس اگر نگاہ پھولوں سے آشنا نہ ہو۔ میرے لئے لختِ جگر ہی پھول تھے۔ نگاہ انہیں سے محروم ہے۔

(۴)

(۱۱۰)

اثر کمندیٔ فریادِ نارسا معلوم
غبارِ نالہ، کمیں گاہِ مدعا معلوم

اس پوری غزل میں "معلوم" کے معنی نفی کے ہیں۔ اثر کمندی : اثر کو گرفتار کرنا۔ کمیں گاہِ مدعا : مدعا کو پکڑنے کی گھات لگانے کی جگہ یعنی مدعا حاصل کرنا۔ ہماری فریادِ نارسا ہے یہ کبھی اثر نہ کرے گی۔ ہمارا نالہ کبھی مدعا برآری نہ کر سکے گا۔

بہ قدرِ حوصلۂ عشق جلوہ ریزی ہے
وگرنہ خانۂ آئینہ کی فضا معلوم

خانۂ آئینہ : آئینے کے اندر گہرائی اور خلا سے جو گھر دکھائی دیتا ہے جس عشق کے حوصلے کے مطابق جلوہ کی بارش کرتا ہے۔ آئینہ کے گھر کی گہرائی اور فضا کی وسعت کچھ بھی نہیں لیکن چونکہ آئینے میں عشق کا بڑا حوصلہ ہے یعنی مسلسل محبوب کو دیکھتے رہنا چاہتا ہے اسی لئے محبوب بھی اس پر خوب جلوہ کی بارش کرتا ہے۔ آئینے کے سامنے محبوب کا آنا آئینہ پر جلوہ ریزی ہے۔

بہار در گرہِ غنچہ، شہر جولاں ہے
طلسمِ ناز، بجز تنگیٔ قبا معلوم

غنچے کی نسبت کھلا ہوا پھول زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ پنکھڑیوں کا سیدھا اور زیادہ رنگین رخ غنچے میں سمٹا ہوا ہے گویا بہار غنچے کی گرہ میں بند ہے۔ شہر میں جا بجا بہ کثرت کلیاں آئی ہوئی ہیں گویا بہار غنچے میں بند ہو کر سارے شہر کی سیر کر رہی ہے۔ بہار نے اپنے ظہور کیلئے تنگ مقام (گرہِ غنچہ) کو پسند کیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ فیشن پرست اور ناز کرنے والے لڑکے چست لباس اور تنگ قبا پہنتے ہیں۔ ڈھیلے لباس میں نمودِ حسن نہیں کرتے۔

طلسمِ خاک، کمیں گاہِ یک جہاں سودا
بہ مرگ، تکیۂ آسائش فنا معلوم

طلسمِ خاک : دنیا۔ کمیں گاہِ یک جہاں سودا : ایسی کمیں گاہ جو بہت سارے سودا کو شکار کرے یعنی سودا کا مقام۔ دنیا سودا کی تحصیل کا مقام ہے اسی لئے مرنے کے بعد بھی آرام نہ مل سکے گا۔ آرام کی انتہا فنا ہے اور آرام کا آلہ تکیہ۔ اس لئے فنا کو تکیۂ آسائش کہا ہے لیکن چونکہ طلسمِ خاک میں سودا بھرا ہوا ہے اور مرنے کے بعد خاک ہی میں جاتا ہے یعنی طلسمِ خاک سے باہر نہیں جا سکتے اس لیے بجائے آسائش کے سودا ہی ملے گا۔

تکلف، آئینۂ دو جہاں مدارا ہے
سراغِ یک نگہِ قہر آشنا معلوم

اگر کسی کے پاس جائیے اور وہ شروع ہی میں تکلف سے بات چیت کرے تو یہ اس بات کا آئینہ ہے کہ وہ آپ کی بہت خاطر مدارات کرے گا۔ تکلف مدارات کا سراغ دیتا ہے۔

لیکن کسی کی قہر آلودہ نگاہ کو سُراغ کون سا ہوتا ہے کسی کو معلوم نہیں جس طرح خاطر تواضع کا پیش خیمہ تکلف ہے۔ اسی طرح قہر و غضب کا پیش خیمہ بھی کچھ ہے کہ نہیں؟

اس شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ لوگ ظاہراً تکلف کے زیرِ اثر دُنیا بھر کی خاطر مدارات کرتے ہیں لیکن دراصل ان کی نگاہ قہر آشنا ہوتی ہے یعنی دل میں کینہ رکھتے ہیں۔ ان کی ظاہری مدارات میں نگاہِ قہر کا سُراغ کیونکر لگایا جا سکتا ہے۔

اسدؔ فریفتۂ انتخابِ طرزِ جفا
وگرنہ دلبریٔ وعدۂ وفا معلوم

وعدۂ وفا میں ہمارا دل موہنے والی کوئی بات نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ وفا ہرگز نہ کریں گے۔ اس کے باوجود ہمیں وعدۂ وفا پسند ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ جفا کے لئے اس طریقے کے انتخاب کو ہم پسند کرتے ہیں۔

(۱۱۱)

لبکہ ہیں بدمستِ بشکن بشکنِ میخانہ ہم
موئے شیشہ کو سمجھتے ہیں خطِ پیمانہ ہم

بشکن بشکن: بڑا جشن جس میں اسبابِ رقص و رنگ و نغمہ وغیرہ جمع ہوں۔ ہم میخانے کے جشن کی وجہ سے بدمست ہیں اگر بوتل میں کوئی بال بھی پڑ جاتا ہے تو بھی ہم اس کی پروا نہیں کرتے اسے جام کے اندر والے خط کی طرح سمجھتے ہیں اور نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بشکن کے لغوی معنی ہیں "توڑ" اسی کا نتیجہ موئے شیشہ ہوگا۔ جام میں خط جامِ جم کی خصوصیت تھی اب ہر جام کے لئے لایا جاتا ہے۔

لبکہ ہر یک موئے زلفِ افشاں سے ہے تارِ شعاع
پنجۂ خورشید کو سمجھے ہیں دستِ شانہ ہم

افشاں: گوٹے یا مقیش کی باریک کترن جو آرائش کیلئے زلفوں پر چھڑکی جاتی ہے۔ دستِ شانہ: دست شانہ بغیر اضافت ایک قسم کا شانہ ہوتا ہے جس سے اُلجھے ہوئے ریشم کو سلجھاتے ہیں۔ یہاں شانے کا ہاتھ یعنی دانتے مراد ہیں۔ افشاں کی وجہ سے اس کی زلف کا ہر بال کرن معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم شعاع دار سورج کے پنجے کو محبوب کی زلفوں کا شانہ سمجھ بیٹھے

ہے فروغِ ماہ سے ہر موج ایک تصویرِ چاک
سیل سے فرشِ کتاں کرتے ہیں تا ویرانہ ہم

کتان ایک روایتی باریک کپڑا ہے جو چاند کی کرنوں سے پھٹ جاتا ہے۔ پانی کی موجیں بھی ایک دوسرے سے پھٹی پھٹی رہتی ہیں۔ یہ عام طور سے معلوم ہے کہ چاندنی سے مد و جزر آتا ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ سیلاب آیا ہوا ہے۔ اس پر چاند کا عکس پڑا تو ہر موج چاک چاک دکھائی دینے لگی اس طرح ہم اپنے گھر سے ویرانے تک فرشِ کتاں بچھا دیتے ہیں۔ یہ فرشِ کتاں کون سا ہے؟ سیلِ امواج جو تباہی کا پیش خیمہ ہے یا پھر آنسوؤں سے سیل برپا ہے۔

مشقِ از خود رفتگی سے ہیں بہ گلزارِ خیال
آشنا تعبیرِ خوابِ سبزۂ بیگانہ ہم

سبزۂ بے گانہ وہ سبزہ ہے جو تراشنے کے قابل ہو۔ خیالات کے باغ میں ہم نے کھو جانے اور از خود رفتہ ہونے کی مشق کی۔ اس طرح ہم سبزۂ بیگانہ کے خواب کی تعبیر سے واقف ہو گئے ہیں۔ خوابِ سبزہ مشہور ہے۔ ہمارے از خود رفتہ ہونے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ کوئی ہمارے دردِ دل پر توجہ نہیں کرتا۔ یہی کیفیت سبزۂ بیگانہ کی ہے کہ کوئی اس کا آشنا نہیں۔

فرطِ بے خوابی سے ہیں شب ہائے ہجرِ یار میں
جوں زبانِ شمع، داغِ گرمیِ افسانہ ہم

ہمارے افسانے یعنی رودادِ سرگذشت میں بڑی گرمی تھی۔ ہمیں اس گرمی کا شکوہ ہے اس کی وجہ سے ہجر کی راتوں میں ہم پڑے جاگتے رہتے ہیں۔ شمع کی زبان بھی اپنے افسانے کی گرمی سے جل کر محض داغ ہو جاتی ہے۔ ہم بھی اسی کی طرح جل رہے ہیں اور بے خواب ہیں۔

جانتے ہیں جوششِ سودائے زلفِ یار میں
سنبلِ بالیدہ کو موئے سرِ دیوانہ ہم

ہمیں زلفِ یار کا سودا ہے ہمیں سنبل خوش نما زلف کی طرح نہیں معلوم ہوتا بلکہ زلفِ یار کے مقابلے میں کسی دیوانے کے سر کے اُلجھے ہوئے بال کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

لبکہ وہ چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے
چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمعِ خلوت خانہ ہم

وہ محبوب غیروں کی محفل کی رونق بنا ہوا ہے۔ اس کے غم میں ہم اکیلے کمرے میں خلوت خانے کی شمع کی طرح خاموشی سے جل رہے ہیں۔

شامِ غم میں سوزِ عشقِ آتشِ رُخسار سے
پُر فشانِ سوختن ہیں، صورتِ پروانہ ہم

آتشِ رخسار: سُرخ گالوں کی تمتماہٹ۔ پرفشاں: پرواز کرنا۔ ہجر کی رات میں ہمیں محبوب کے تمتماتے گال یاد آرہے ہیں جس طرح پروانہ اُڑکر شمع کی طرف جاتا ہے اور جل جاتا ہے اسی طرح ہم بھی جل اُٹھنے کا سامان کررہے ہیں۔

﴿ ۱۱۴ ﴾

رہتے ہیں افسردگی سے سخت بے درد ، ہم
شعلہ ہا نذرِ سمندر ، بلکہ آتش خانہ ، ہم

افسردگی کی وجہ سے ہم خود پر بڑی سختیاں کرتے ہیں۔ ہماری حالت ایسی ہے جیسے شعلوں میں گھرا سمندر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ہم سراپا آتش کدہ بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے مصرع کی نثر ہے ہم شعلہ ہا نذرِ سمندر (ہیں) بلکہ آتش خانہ (ہیں)

حسرتِ عرضِ تمنایاں سے سمجھا چاہیئے
دو جہاں حشرِ زبانِ خشک ہیں جوں شانہ ہم

دو جہاں حشر: بہت زیادہ بے تابی۔ زبانِ خشک: نہ بول سکنے کی علامت ہے۔ ہم محبوب کے حضور اپنی تمنا عرض کرنا چاہتے ہیں اس کی حسرت کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ شانے کی طرح ہماری زبان خشک ہے یعنی بول نہ سکنے کی وجہ سے یہ حال ہوا ورنہ بولنے کے لئے بڑی بے قراری ہے۔ شانے کے بہت سی زبانیں ہوتی ہیں لیکن خشک یعنی وہ بھی بولنے کے لئے تڑپتا ہے۔

کشتیٔ عالم بہ طوفانِ تغافل دے کہ ہیں
عالم آبِ گدازِ جوہرِ افسانہ ، ہم

آئینہ بھی پگھل سکتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا جوہر بھی۔ گدازِ جوہرِ افسانہ: افسانے کے جوہر کا پگھلنا۔ عالم آبِ گدازِ جوہرِ افسانہ: افسانے کے جوہر کے پگھلے ہوئے پانی کی دُنیا۔ گداز درد و سوز کو بھی کہتے ہیں۔ افسانے کے درد و سوز کی دُنیا یعنی درد و سوز سے بھرا ہوا افسانہ ہے محبوب تو دُنیا کی کشتی طوفانِ تغافل میں چھوڑ دے کیونکہ صرف ہمارے افسانے میں سوز و گداز ہے۔ بالفاظِ دیگر اے محبوب تو صرف ہماری قدر کر کیونکہ ہمارے عشق میں خلوص اور سوز ہے۔ باقی اہلِ عالم کی طرف توجہ نہ کر۔ طوفان اور آبِ گداز میں رعایت ہے۔

وحشتِ بے ربطیٔ پیچ و خمِ ہستی نہ پوچھ
ننگِ بالیدن ہیں ، جوں موئے سرِ دیوانہ ، ہم

ہستی میں بڑے پیچ و خم ہیں بڑی بے ربطی ہے ایک وحشت کا عالم ہے۔ ہستی کی بے ربطی کا ایک نمونہ ہم ہیں۔ جیسے دیوانے کے سر کے بال اُلجھے اُلجھے گندے ہوتے ہیں اسی طرح ہم بھی ننگِ ہستی ہیں۔

﴿ ۱۱۵ ﴾

از آنجا کہ حسرت کشِ یار ہیں ، ہم
رقیبِ تمنائے دیدار ہیں ، ہم

از آنجا: اس وجہ سے۔ غالب رشک کے مضامین کے لئے مشہور ہیں۔ یہ شعر بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ ہمیں یار سے ملنے کی حسرت ہے۔ چاہتے ہیں کہ ہمارے سوا اور کوئی یار کا نہ ہو۔ ہمارے دل میں تمنائے دیدارِ یار ہے چونکہ اس تمنا کا تعلق یار سے ہے اس لئے ہم اسے اپنا رقیب سمجھنے لگے ہیں۔

رسیدن گلِ باغِ واماندگی ہے
عبث محمل آرائے رفتار ہیں ، ہم

منزل پر پہنچنا تھکن کے باغ کا پھول ہے یعنی تھکن پیدا کرنے والا ہے یا تکان کی انتہا ہے۔ پھر ہم بیکار ہی محوِ رفتار ہیں۔ جس کام کا نتیجہ تھکن ہو اس سے فائدہ؟ پہلے مصرع میں ایک لطیف معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ منزل پر پہنچ کر ٹھہر جانا ایک قسم کی تھکن ہے۔ تھکن میں آدمی چلنے سے گھبراتا ہے۔ مکمل قطعِ رفتار کلی واماندگی ہوگی اسی لئے گرمیٔ رفتار بے کار ہے۔ اس تشریح میں رفتار سے مراد زندگی اور رسیدن سے مراد موت ہے۔

نفس ہو نہ معزولِ شعلہ درودن
کہ ضبطِ تپش سے شرر کار ہیں ، ہم

شعلہ درودن: شعلہ کی فصل کاٹنا۔ شرر کار: شرر بونے والا۔ ہم نے تڑپ اور سوز کو ضبط کرکے سینے میں شرر بویا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم شعلے کی کھیتی کاٹیں گے۔ شعلوں کی یہ پیداوار ہمارے سانس کو برطرف نہ کردے یعنی شعلوں کی شدت سے کہیں جان ہی نہ جاتی رہے۔

تغافل کمیں گاہِ وحشت شناسی
نگہبانِ دل ہائے اغیار ہیں ، ہم

محبوب کا تغافل دراصل ایسی کمیں گاہ ہے جس میں بیٹھ کر وہ عاشقوں کی وحشت کا پتہ چلانا چاہتا ہے۔ یعنی تغافل کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ تغافل کے اثر سے کس کس کے دل میں وحشت پیدا ہوتی ہے جس کے دل میں وحشت ہوگی وہ عاشقِ صادق سمجھا جائے

گا۔ ہم رقیبوں کے دل کی نگہبانی کر رہے ہیں کہ کہیں ان میں وحشت کے آثار تو نہیں پیدا ہوئے اگر ایسا ہوا تو وہ بھی معتبر سمجھے جائیں گے۔

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن
بہار آفرینا، گنہ گار ہیں ہم

اے خدا ہم گلشن کو دیکھتے ہیں اور پھول توڑنے کی خواہش بھی کرتے ہیں۔ اے بہار کو پیدا کرنے والے واقعی ہم گنہ گار ہیں۔ کمال کا شعر ہے کس خوبی سے عذر پیش کیا ہے۔ خالقِ گلشن پر سارا الزام ڈال دیا ہے کہ تو نے باغ و بہار کیوں پیدا کئے۔ اب کسی کا دیکھنے اور چننے کو جی چاہے تو قصور اس کا ہے یا تیرا؟

نہ ذوقِ گریباں، نہ پروائے داماں
نگہ آشنائے گل و خار ہیں ہم

ہمیں نہ گریباں بچا کر رکھنے کا شوق ہے نہ دامن کی پروا ہے کیونکہ ہم گل اور خار کی نگاہ پہچانتے ہیں۔ گل یہ کہہ رہا ہے کہ کاہے کو گریباں کی فکر کرتے ہو آخر کار یہ چاک ہونا ہی ہے۔ خار یہ کہہ رہا ہے کہ دامن کی لاکھ پروا کرو میں اس میں اُلجھ کر رہوں گا۔

اسدؔ شکوہ کفر و دعا ناسپاسی
ہجومِ تمنا سے ناچار ہیں ہم

اسدؔ! میری تمنائیں بہت زیادہ ہیں۔ کچھ تمنائیں پوری ہو چکی ہیں اس لئے خدا سے شکوہ کرنا کفر ہے اور مزید مقصد برآری کیلئے دُعا مانگنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جو کچھ مل چکا ہے اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ میں ان الزاموں کیلئے تیار ہوں کیونکہ میری آسودہ تمناؤں کے مقابلے میں ناآسودہ تمنائیں بہت زیادہ ہیں۔

(۱۱۴)

جس دم کہ جادہ وار ہو تارِ نفس تمام
پیمائشِ زمینِ رہِ عمر بس تمام

سانس کا تار راستے کی طرح ہے۔ چلتے چلتے راستہ ختم ہو جاتا ہے تو کام تمام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس کے تار کا پورا ہونا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر کے راستے کی پیمائش پوری ہو گئی یعنی سانس کا پورا ہونا راہِ عمر کا پورا ہونا ہے۔

کیا دے صدا اِک کلفتِ گم گشتاں سے آہ
ہے سرمہ گردِ رہ، بہ گلوئے جرس تمام

سرمہ بہ گلو ہونا آواز کا ختم ہو جانا ہے۔ قافلے کے کچھ لوگ راستے میں کھو گئے ہیں۔ قافلے کے ساتھ جرس بجتا چلتا ہے لیکن چونکہ کچھ لوگ گم ہو گئے ہیں تو ان کے غم میں وہ خاموش ہے۔ راستے کی گرد نے جرس کیلئے سرمے کا کام کیا۔ یہ محض شاعرانہ خیال ہے۔ کہنا صرف یہی ہے کہ گم کردہ راہ لوگ ایسے بیش بہا تھے کہ جرس بھی ان کے بچھڑ جانے کا غم کر رہا ہے۔

ڈرتا ہوں کوچہ گردیِ بازارِ عشق سے
ہیں خارِ راہ، جوہرِ تیغِ عسس تمام

میں عشق کی کوچہ گردی سے گھبراتا ہوں کیونکہ اس کے راستے کے کانٹے، کوتوال کی تلوار کے جوہر کی طرح آزار رساں ہیں یعنی عشق کا راستہ بہت بلاؤں سے بھرا ہوا ہے۔ جوہر لکیر کی طرح ہوتا ہے اس لئے خار سے مشابہ ہے۔

اے بالِ اضطراب، کہاں تک فسردگی
یک پرزدن تپش میں ہے کارِ قفس تمام

اے میرے بے چینی کے پر تو کہاں تک افسردہ و بے جان بیٹھا رہے گا۔ ایک بار تڑپ کر پر چلانے میں قفس کا کام تمام ہو جائے گا یعنی قفس ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ یعنی اگر میں تڑپ کر کوشش کروں تو قفس بھی مجھے قید رکھنے میں ناکام رہ جائے گا۔

گزرا جو آشیاں کا تصور بہ وقتِ بند
مژگانِ چشمِ دام ہوئے خار و خس تمام

میں جال میں پھنسا ہوا تھا۔ آس پاس کانٹے اور تنکے پڑے تھے۔ ایسے میں میں نے اپنے گھونسلے کا خیال کیا۔ خار و خس جال کی آنکھ میں پلک کی طرح ہو گئے۔ حلقۂ دام آنکھ کی طرح ہوتا ہے اور خار و خس پلک سے مشابہ ہوتے ہیں آنکھ اور پلک کا کام بصارت دینا ہے۔ خار و خس نے بھی میری چشمِ تصور کو مدد دی یعنی خار و خس کو دیکھ کر آشیاں کی تصویر سامنے آ گئی۔ آشیاں تنکوں ہی سے تو بنتا ہے۔

کرنے نہ پائے ضعف سے شورِ جنوں اسدؔ
اب کے بہار کا یوں ہی گزرا برس تمام

عاشق کو جنگلوں میں پھرنا اور شور کرنا پسند ہے لیکن اس سال کی بہار میں اتنی کمزوری غالب تھی کہ اے اسد ہم اپنا مرغوب کھیل نہ کھیل سکے۔